

اَنَا الْعَاقِبُ الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ عِبْدِي نَبِيٍّ

ختم دور رسالت پیکھول سلام

فتح باب نبوت پیکھول درود

فَدَايَا الْجَنَّةِ شُرُوكَ كَاتِبَاتِهَا

الْعَاقِبُ

رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ // اگست ۲۰۱۱ء

زیر نگرانی

شیخ الحدیث علامہ حافظ خادم حسین رضوی

اُن کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
جاننا احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

سیدہ کائنات، شہزادی رسول، حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام - وصال: سوم رمضان المبارک ۱۱ھ



وہ مبارک جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ اور ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی لڑائی ہوئی۔ شہزادہ سید جلال احمد علیہ الرحمہ نے یہ عجیب و غریب واقعہ بیان کیا۔



حضرت سیدو سے منسوب اولیٰ و ثانیہ اندر سنی کپڑے کا استعمال ہوا ہے



اُس مبارک جگہ کا دروازہ چہاں ۳۱ سو سال قبل سیدۃ النساء زینب تھیں۔



جنت البقیع میں رسول اللہ کی لاش کو شہزادی سیدہ خاتون العقیقی کی محبوبہ زوجہ اور حضرت حسین کی بے مثل والدہ سیدہ فاطمہ زہراؑ نے اپنے چہرے کی قبر انور

0300-4627470

ملتان روڈ لاہور

فہرست



نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں



تمام قارئین کرام اور اہل اسلام کو رمضان المبارک کی بڑی کیف ساعیتیں مبارک ہوں۔ اللہ رب العزت خاتم الانبیاء والرسل، جان دو عالم ﷺ کے فضیل تمام مؤمنین، مؤمنات کو رمضان المبارک میں اپنے روحانی درجات خوب بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وطن عزیز پاکستان کو تمام ظاہری و باطنی دشمنوں، شریروں اور حاسدین سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین ثم آمین

شرم ثم کو گراتی نہیں.....

موجودہ حکمرانوں کی اسلام پسندی کا تصور بھی جب دماغ میں آئے تو ذہن فوراً اسے حرف غلط کی طرح ختم کر دیتا ہے۔ ہمارے صدر محترم نے وعدوں کے حوالے سے فرمایا تھا کہ ”وعدہ کوئی قرآن وحدیث تو نہیں.....“ اسی طرح صوبہ پنجاب میں برسر اقتدار پارٹی کے سربراہ نے آئینی طور پر غیر مسلم قراردادیں گئے قادیانیوں امرزانیوں کے حوالے سے کہا تھا کہ ”قادیانی ہمارے بہن بھائی ہیں.....“ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب کے صاحبزادے توج کرپشن میں باقاعدہ عدالتوں کے چکر لگا رہے ہیں اور شفاف تحقیقات کے نتیجے میں وزیراعظم کے لخت جگر اور ایک قریبی ساتھی بھی عنقریب اسی لائن میں کھڑے ہونے والے ہیں لیکن شفاف تحقیقات اولین شرط ہے۔ ان کے علاوہ کراچی وحید آباد کی لسانی سیاسی تنظیم کے سربراہ کی دین بیزاری اپنی مثال آپ ہے۔

خبریات ہوری تھی حکمرانوں کی دین بیزاری کی توجیجے جناب ایک اور افسوس ناک خبر یہ ہے کہ ● مورخہ ۱۱ جولائی 2011ء کو روزنامہ جنگ لاہور کے صفحہ 6 پر حکمہ بہبود آبادی حکومت پنجاب کی طرف سے ”کم آبادی زیادہ خوشحالی“ کے عنوان سے اشتہار شائع ہوا جس میں ایک کارٹون (خاکہ) میں داڑھی شریف کی تھپک وتوپن کی گئی ہے۔ اس کارٹون میں

زیادہ بچوں کے ضمن میں ایک عورت کے سر کی چوٹی کے ساتھ ایک کپڑا باندھا دکھایا گیا ہے جس کا دوسرا سر اس کے شوہر کی داڑھی کے ساتھ باندھا گیا ہے اور اس کپڑے میں ایک بچہ جھولا تھول رہا ہے۔

مسلم ملک، مسلم معاشرہ اور شعائر اسلامی کی توہین چہ معنی دارد؟ داڑھی شریف تو خصلت اسلام سے ہے بلکہ سیدنا آدم علیہ السلام سے نبی کریم ﷺ تک جمیع انبیاء کرام درسل عظام علیہم السلام کی سنت مبارکہ ہے۔ حکومت پنجاب یا وزارت، یہود آبادی کے ذمہ داران کو اگر اس کارٹون میں توہین کا پہلو سمجھ نہ آئے تو وہ داڑھی والے شخص کی جگہ ”بڑے میاں صاحب“ یا ”چھوٹے میاں صاحب“ کے سر کے پیوست شدہ بالوں یا وزیر قانون پنجاب کی مونچھوں سے کپڑا باندھ کر بچے کو جھولا جھلائیں اور پھر اپنا اور اپنے عہدوں کا اور قانون حرکت میں آنے کا تماشا دیکھیں۔

● اسی طرح 20 جون 2011ء کو روزنامہ ایکسپریس میں خیبر پختونخواہ (سرحد) کے سینئر صوبائی وزیر بشیر بلور کا پارکونسل سے خطاب کے ضمن میں یہ خرافاتی جملہ شائع ہوا کہ ”اللہ اکبر کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے۔“

یہ ہرزہ سرائی یقیناً اسلام اہل اسلام اور غیور مسلمانوں کی توہین و تضحیک ہے۔ مقام حیرت ہے کہ بلور کی اس توہین کے وقت اس بارزوم میں کیا کوئی ایک بھی غیرت مند مسلمان موجود نہیں تھا جو فوراً کھڑا ہو کر بلور کو عقل دلاتا۔ بھیک اور غیروں کے کھڑوں پر پلنے کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی غیرت و خودداری ہی مرنے لگتی ہے۔

یوں تو پختونوں کے حقوق کی نام نہاد چیمپین عوامی نیشنل پارٹی (A.N.P) کے قوم پرست لیڈروں کی پوری تاریخ اسلام اور پاکستان دشمنی سے بھری پڑی ہے۔ حال ہی میں منظور ہونے والی آئینی ترمیم میں سفارشات پیش کرتے وقت اسی پارٹی کے رہنما حاجی عدیل نے کہا تھا کہ ملک کا نام ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“ کی جگہ جمہوریہ پاکستان ہونا چاہیے اور صدر و وزیراعظم کے عہدے کے لیے مسلمان ہونے کی شرط بھی ختم ہونی چاہیے۔

قیام پاکستان کے وقت قوم پرست لیڈروں سرحدی گاندھی عبدالغفار خان اور ذاکر خان وغیرہ نے ریفرنڈم میں پاکستان کی مخالفت کی تھی۔

اس پارٹی کے لیڈروں کی ملک دشمنی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ زندگی بھر رہے تو پاکستان میں اور مفادات بھی پاکستان سے حاصل کرتے رہے لیکن موت سے قبل عبدالغفار خان نے وصیت کی تھی کہ اسے مرنے کے بعد پاکستان دفن نہ کیا جائے چنانچہ اسے اس کی وصیت کے مطابق جلال آباد (افغانستان) میں دفن کیا گیا۔

1971ء میں جب سرحد میں مفتی محمود کی پارٹی ڈیل کے تحت اپنا وزیر اعلیٰ لانے کی پوزیشن میں ہو گئی تو عبدالغفار خان کے بیٹے عبدالولی خان (باپ اسفندیار ولی) نے کہا ”ہمارے ٹکڑوں پر پلٹنے والے مثلاً اب ہم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔“

عوامی نیشنل پارٹی کا شروع ہی سے ایجنڈا قوم پرستی اور لسانی تفریق رہا ہے۔ اسی ایجنڈے کا حصہ ہے کہ پاکستان میں بسنے والے تمام مسلمان اسلام کے پیغام وحدت و بھائی چارے کو چھوڑ کر ٹکڑوں ٹکڑوں میں بٹ جائیں اور خود کو پنجابی، سندھی، بلوچی، پختون وغیرہ کی حیثیت سے پیش کریں نہ کہ مسلمان یا پاکستانی ہونے کی حیثیت سے۔ بشیر بلور کو نعرہ ”کبیر“ ”اللہ اکبر“ کے حوالے سے جو تکلیف پہنچی ہے وہ اُس اکیلے کی فکر و سوچ نہیں بلکہ اس طبقے کے روحانی خداؤں رُوس اور اعدا کو بھی اس نعرہ مستانہ سے یہی شکوہ رہا ہے اور رہے گا۔

● تیسری خبر یہ ہے کہ برطانوی نشریاتی ادارے بی بی سی نے 15 اکتوبر 2005ء کو شمالی علاقے میں پاکستانی ہم جنس پرستوں کی شادی کی خبر کو نشر کیا اور ایک ڈاکومنٹری پیش کی تھی جس کے صرف تین دن بعد 8 اکتوبر 2005ء کو اس پورے خطے میں زبردست زلزلہ آیا تھا۔ اس زلزلے کو اہل فہم و فراست ہم جنس پرستی کے وبال و سزا سے تعبیر کر رہے تھے۔

جون 2011ء کے آخری عشرے میں اسلام آباد میں موجود امریکی سفارت خانے میں ہم جنس پرستوں کو تحفظ اور سرپرستی مہیا کرنے کے لیے ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں ملک بھر سے چندہ افراد کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس تقریب کا اہتمام ”گے اینڈ ٹرمین فارن افیئر ز ایجنسی“ نے امریکی سفارتخانے کی مدد سے کیا تھا۔

یہ ایجنسی 1992ء سے دنیا بھر میں ہم جنس پرستی کو فروغ دینے، ہم جنس پرستوں کو تحفظ فراہم کرنے اور بالخصوص مسلمان ممالک میں ہم جنس پرستی رائج کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے۔

26 جون 2011ء کو اسلام آباد کے امریکی سفارتخانے کی جانب سے جاری کی جانے والی پریس ریلیز کے مطابق دعوت ناموں کا اجراء سفارت خانے میں جشن کا سماں منعقد کرنے کی خاطر کیا گیا تھا جس میں پاکستان کے ہم جنس پرستوں نے شرکت کی۔

ملک بھر میں جب ہم جنس پرستوں کی ہونے والی پارٹی پر صدائے احتجاج بلند ہوئی تو امریکی محکمہ خارجہ نے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ حکومت پاکستان کی طرف سے ہمیں کسی باضابطہ شکایت کا علم نہیں ہے۔ امریکہ ہم جنس پرستوں کے ”حقوق“ کی بھرپور حمایت کرتا ہے۔

امریکی سفارتخانے میں اجتماع اور امریکی محکمہ خارجہ کی طرف سے وضاحت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ پاکستان کو گمراہیوں کی آماجگاہ بنا کر اس کا اسلامی تشخص ختم کرنا چاہتا ہے۔ ہم جنس پرستوں کا اجتماع ملکی نظریاتی سرحدوں پر کھلا حملہ ہے۔ امریکہ مسلمانوں اور اسلامی تہذیب کا بڑا دشمن ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت افغانستان میں امریکی سرپرستی میں قائم کیے گئے ہم جنس پرستی، شراب نوشی اور جوئے کے اڈے ہیں۔ امریکہ پاکستان سے بھی اسلامی تہذیب و ثقافت ختم کر کے غیر اسلامی و غیر اخلاقی کلچر کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔

اس اجتماع کے حوالے سے تاحال حکومتی خاموشی سوالیہ نشان ہے۔ ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ امریکی سفیر کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر ملک بدر کیا جائے اور ہم جنس پرستوں کے اجتماع کے شرکاء کو حدود قوانین کے تحت سزا دی جائے۔

مجاہد کبیر علامہ فضل حق خیر آبادی کے یوم شہادت کے 150 سال

متحدہ ہندوستان اور موجودہ پاکستان کی تاریخ کو مد نظر رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جنگ آزادی 1857ء ہی قیام پاکستان یا اسلامی نظریے کی بنیاد پر ایک الگ ریاست کی بنیاد یعنی قیام پاکستان کی خشتِ اول ایک لحاظ سے جنگ آزادی 1857ء ہی ہے۔ جنگ آزادی 1857ء کا جب بھی ذکر ہوتا ہے تو ذہن فوراً اس جنگ کی قیادت کرنے والے عالم ربانی، امام المسکین، قائدِ حریت، قائدِ تحریک آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مخلص ساتھیوں کی جانب جاتا ہے۔ 1857ء کی پوری تاریخ ہمارے اکابر علماء اہلسنت کی قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ دہلی سے روہیل کھنڈ اور روہیل کھنڈ سے لکھنؤ تک ہر محاذ پر اہلسنت و جماعت کے سپہوتوں نے ہی مرویدان بن کر فرنگی سامراج کا ڈٹ کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ان دیگر شہروں میں صدر الصدور مفتی صدر الدین آزرودہ، جلیل القدر عالم و فاضل مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی، بلبلِ چمنستان رسالت مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی، عظیم سنی مجاہد جنرل بخت خاں روہیل، شہزادہ فیروز شاہ قانع عیسائیت مولانا رحمت اللہ کیراتوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

تقریباً ڈیڑھ صدی سے ایک مخصوص مکتب فکر کی جانب سے ایسی تاریخ سازی کی جا رہی ہے جس میں اکابر اہلسنت کے کردار کو فراموش کرنے یا داغدار بنانے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ اس مخصوص مکتب فکر کی جانب سے ہمارے بزرگوں کی لٹہیت اور اخلاص پر مبنی کوششوں اور کاوشوں کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ ہمارے اکابر نے اپنی دینی خدمات میں رتی بھر بھی نمود و نمائش اور دکھاوے کی آمیزش نہیں ہونے دی یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر قدم اپنے دین، علم، قوم، ملک و وطن کے لیے ہوتا تھا اور وہ اُسے ضیاعِ تحریر میں لانے کی ضرورت و حاجت محسوس نہیں کرتے تھے۔

ہمارے اکابر کی انہی خلوص بھری کاوشوں کا بخالصتین نے یوں فائدہ اٹھایا کہ انہوں نے تاریخی حقائق کو بیان کرنے کی بجائے نئی تاریخ گھڑنی شروع کر دی۔ یہ تاریخ سازی بھی اس انداز کی ہے کہ الامان والحفیظ مثلاً فاتح عیسائیت مولانا رحمت اللہ کیرانوی 1858ء میں ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ میں مستقل قیام پذیر ہو گئے تھے۔ مگر ایک عرب مؤرخ کے بقول مولانا کیرانوی دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ اب یہ ایسا تاریخی جھوٹ ہے کہ اس کا جواب قرآن کریم کے انداز میں لعنت اللہ علی الکاذبین کے سوا کیا دیا جاسکتا ہے؟ زمانہ جانتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند 1866ء میں قائم ہوا اور مولانا کیرانوی 1858ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ مستقل تشریف لے جا چکے تھے۔ اب 8 سال بعد قائم ہونے والے مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے کا عقدہ ”تاریخ ساز حضرات“ ہی حل کر سکتے ہیں۔

اسی طرح شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی ﷺ کی سوانح میں ہیبر پھیر کی انوکھی مثال قائم کی ہے حالانکہ حضرت حاجی صاحب نے ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ نامی رسالے میں ایک زمانے دار تحفہ یا تازیانہ بخالصتین کی عقائد باطلہ پر رسید کیا ہے اور خود کو اُن سے بری الذمہ ثابت کیا ہے۔

دجال قادیان مرزا قادیانی کا اولین رد فرمانے والے حضرت مولانا غلام دہلوی قصوری نور اللہ مرقدہ کے ساتھ بھی یہی قلم روار کھا گیا ہے حالانکہ حضرت قصوری نے رسوائے زمانہ کتاب براہین قاطعہ کے مصنف خلیل احمد ایٹھوی کی 1306ھ میں بہاولپور میں تاریخی مناظرہ میں اہل علم کے سامنے پول کھولی تھی۔ مولانا قصوری نے اس تاریخی مناظرہ کی روداد ”تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل“ کے نام سے شائع کی جسے پڑھ کر مولانا کیرانوی ﷺ نے بھی فرمایا اب تک رشید (یعنی رشید گنگوہی) کو رشید (ہدایت یافتہ) سمجھتا تھا مگر یہ بہت نارشید (نہ ہدایت یافتہ) گمراہ (نکلا۔

یہ تو صرف چند ایک مثالیں ہیں وگرنہ تفصیل میں جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ المختصر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ بھی ان متاثرین میں شامل ہیں جن پر تاریخ سازوں نے ناپاک وار کیے ہیں۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری رحمہ اللہ ”افسوس سارا زور قلم اس پر صرف کیا جاتا ہے کہ علامہ فضل حق جہاد آزادی میں شریک نہ تھے اور محض غلط فہمی کی بناء پر اُن کو عمر قید سنائی گئی۔ جو شخص پورے ملک میں جانا پہچانا ہوا اور جس کو حاکم بھی اچھی طرح جانتا ہو اس کے متعلق غلط فہمی بعید از قیاس ہے۔ واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ علامہ دل سے انگریزوں کے مخالف تھے۔ وہ جنگ آزادی کے زمانے میں انگریز کے دوست کو واجب القتل سمجھتے تھے۔ کیونکہ جو انگریز کا دوست ہو گا وہ یقیناً مجاہدین کا دشمن ہو گا۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کو سنی حنفی ہونے کی وجہ سے ہدف بنایا گیا۔ یہ عجیب

بات ہے کہ مؤرخین نے جہاد آزادی کے زمانے میں جس کے بارے میں انگریز دوستی کی ایک بھی شہادت نہیں اس کو انگریز دوست ثابت کیا اور جن کے بارے میں انگریز دوستی کی کئی شہادتیں موجود ہیں یعنی سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی وغیرہ ان کو جہاد آزادی کا قائد اور سلطنت اسلامیہ کا ہیرو ثابت کیا اور مستقل ثابت کیا جا رہا ہے۔

اسلاف کے زریں کارناموں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کسی بھی قوم کی زندگی کی علامت سمجھی جاتی ہے اور اس سے قوت عمل میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ لہذا رواں ماہ 20 اگست 2011ء یعنی 19 رمضان المبارک بروز ہفتہ کو علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو جام شہادت نوش فرمائے عیسوی سن کے اعتبار سے پوری ڈیڑھ صدی یعنی ایک سو پچاس سال ہو جائیں گے۔ (علامہ کا وصال 12 صفر المظفر ۱۲۷۸ھ / 20 اگست 1861ء کو ہوا)

اکثر علماء اہلسنت کا حدیث شریف میں سلسلہ تلمذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور معقولات میں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ یہ سلسلہ جو تقریباً ڈیڑھ دو سو برس قبل جاری ہوا دینی، علمی اور روحانی شکل میں اب بھی جاری ہے اور ہم سب اس کے وارث اور جانشین ہیں لہذا علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام خوش چینوں سے ہماری گزارش ہے کہ علامہ کے ڈیڑھ سو سالہ یوم شہادت کی مناسبت سے رمضان المبارک کی پُر کیف ساعتوں میں عوام الناس کو عالم ربانی، علامہ فضل حق خیر آبادی نور اللہ مرقدہ کی حیات مبارکہ اور خدمات جلیلہ سے ضرور بالضرور متعارف کروائیں۔



سالانہ ممبر شپ برائے ماہنامہ العاقب

جن حضرات کو ماہنامہ ”العاقب“ کی سالانہ ممبر شپ کے لیے معلومات درکار ہوں یا جنہوں نے سالانہ ممبر شپ کے لیے رکنیت فیس جمع کروائی ہو لیکن انہیں تا حال رسالہ موصول نہ ہو سکا وہ ازراہ کرم محمد ساجد الرحمن صاحب سے رابطہ فرمائیں۔

0314/0332/0345*4250505



14 رجب المرجب 1385ھ بروز سہ شنبہ بعد از نماز ظہر خواجه گان کے موقع پر آپ نے مولانا فضل حق خیر آبادی کے تحریر علمی کا واقعہ بیان فرمایا کہ مولانا نے بچپن ہی میں اپنے والد ماجد مولانا فضل امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تمام علمی فنون حاصل کر لیے تھے۔ آپ کے والد ماجد وقت کے امام اور علامہ تھے۔ انہوں نے فنون کی کتابیں پڑھا کر مولانا صاحب کو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دہلی شریف میں پیش کیا اور عرض کیا کہ اپنا لڑکا آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ براہ کرم اسے درس حدیث پاک میں شامل فرمائیں۔ شاہ صاحب نے نہایت خوشی کے عالم میں اجازت بخشی چونکہ وقت کے امام اور فاضل کا بیٹا تھا اس لیے بڑی مسرت اور توجہ کا اظہار فرمایا۔

مولانا کے والد نے بتایا کہ اس لڑکے نے چند ایک قصائد بھی سرکار مدینہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان اقدس میں لکھے ہیں تو شاہ صاحب نے قصیدہ سننے کی خواہش کا اظہار فرمایا، بچے کوئی قصیدہ سناؤ۔ مولانا نے نو عمری میں بنائے ہوئے قصائد میں سے ایک قصیدہ سنایا جو ادبیانہ و فاضلانہ انداز والا اور بلند پایہ تھا۔

لیکن تمام قصیدہ سے صرف ایک لفظ کے متعلق شاہ صاحب نے فرمایا کہ فلاں لفظ اس میں غریب ہے۔ مولانا اگرچہ بحیثیت شاگرد حاضر ہوئے تھے لیکن دلیرانہ انداز آدابانہ عرض کیا کہ جناب اس طرح کے غریب الفاظ اہل لسان شعراء کے کلام میں بھی آئے ہیں لہذا اس میں قسم نہیں ہے۔

شاہ صاحب نے مثال دریافت فرمائی تو آپ نے مشہور شعراء کے ننانوے شعر ایسے سنائے جن میں غریب الفاظ مستعمل تھے۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کے گھٹنے کو دبایا اور فرمایا کہ اس وقت تو بحیثیت شاگرد حاضر ہے بزرگوں کا ادب لازم ہوتا ہے۔ والد صاحب کے فرمان و ارشاد پر خاموش ہو گئے۔ وگرنہ اور بھی پڑھنے کو بالفصاحت تیار تھے بلکہ موجود طلباء و علماء کا کہنا ہے کہ مولانا کے اشعار سناتے وقت معلوم ہوتا تھا کہ ایک بزرگ کراں اچھل کر اپنی فراوانی میں آگیا ہے۔ اگر والد ماجد نہ روکتے تو خدا معلوم کتنے تک پڑھتے جاتے۔ بہر کیف اس وقت شاہ صاحب نے فرمایا مجھے سہو ہو گیا تھا۔

(خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے) فرمایا شاہ صاحب کے زمانہ میں شہنشاہ دہلی کی بیگم مذہب شیعہ رکھتی تھی اور ہمیشہ

بادشاہ کو کہتی تھی کہ ایران کے مجتہد اعظم کے ساتھ شاہ عبدالعزیز صاحب کا مناظرہ کرائیں تاکہ حق مذہب کا امتیاز ہو جائے۔ اگر ایرانی مجتہد غالب آگیا تو میراث مذہب آپ بھی اختیار فرمائیں اور شاہ صاحب کے غالب آنے پر میں اہل سنت مذہب اختیار کر لوں گی۔ ایک گھر میں دو مذہب کا ہونا مناسب ہے خاندان اور بیوی کا مذہب ایک ہی ہونا چاہیے۔

بادشاہ وقت پہلے تو نال منول کرتا رہا بالآخر عورت نے اپنا مطالبہ منظور کروا لیا۔ شاہ صاحب سے بادشاہ نے کہا کہ ایرانی مجتہد آگیا ہے آپ اس کے ساتھ مناظرہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ ایران سے نہ صرف ایک بلکہ اہل تشیع کے بہت سے مجتہد پہنچ گئے لیکن مقررہ تاریخ کے صرف ایک دن پہلے شاہ صاحب کے شاگردوں کو اس مناظرہ کا علم ہوا۔ وہ بھی اس طرح کہ شاہ صاحب نے چہرہ اقدس پر غم کے آثار بنا لیے جن کو دیکھ کر آپ کے تلامذہ نے آپ کی پریشانی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا خیر ہے۔ لیکن بار بار اصرار کرنے پر فرمایا کل ایرانی مجتہد کے ساتھ مناظرہ ہوتا ہے۔ اس شخص کی علیت بھی نامعلوم اور ذات بھی غیر مشہور ہے۔ خدا معلوم وہ لوگ کس طرح کے اعتراض کریں گے؟ کہیں مہمل یا معمولی سا اعتراض کریں تو طلال ہوگا۔ اگر عالمانہ بحث میں آگئے تو حرج نہیں یقیناً مارے جائیں گے۔

لیکن مایوسی محض یہ ہے کہ اگر مثال کے طور پر کہیں کہ تو بحق قاعدہ کا مصنف کون ہے؟ یا تو بہتان کیوں بنادیں یا پہلی سختی تین بیٹوں کی اور دوسری صرف ایک بیٹے والی؟ اسی طرح کے بے معنی اعتراضات ہوں اور ہر موقع جواب ذہن میں نہ آئے تو اہل سنت کی شکست ہوگی کیونکہ بے علم اور جاہل لوگ ایسے ہی سوالات کرتے ہیں جو بے بنیاد ہوں پریشانی تو صرف اتنی ہے۔ یہ سن کر تلامذہ نے عرض کی اس کا حل اس طرح کرتے ہیں کہ مناظرہ پہلے کابل آپ کے شاگرد سے کرایا جائے اور اگر ضرورت پڑی تو پھر آپ تو پھر آپ موجود ہی ہوں گے۔ چنانچہ یہی طے پایا اور تلامذہ نے بادشاہ کی خدمت میں درخواست لکھی کہ ایرانی مجتہد غیر معروف آدمی ہے۔ ساتھ ہی اس کے علم کا کسی کو پتہ نہیں اور شاہ صاحب شہرہ آفاق ہستی ہیں۔ دنیا بھر میں آپ کا چرچا ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ پہلے شاہ صاحب کے کسی طالب علم کے ساتھ مناظرہ ہو۔ اگر طالب علم کو اس نے لا جواب کر دیا تو شاہ صاحب موجود ہوں گے وہ جواب دیں گے۔ بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی اور درخواست منظور فرمائی۔ دوسرے روز جب اسٹیج بن گئے اور فریقین حاضر ہوئے اس وقت اسٹیج کی ہیئت اس طرح تھی کہ جنوبی طرف ایرانی تھے اور شمالی طرف بادشاہ کی کرسی ایرانیوں کے سامنے تھی۔ بادشاہ کے دائیں جانب وزراء، امراء لوگوں کا طبقہ تھا اور بائیں طرف شاہ صاحب اور دیگر علماء کرام جلوہ فرما تھے۔ درمیان میں قالینوں پر تلامذہ بیٹھے تھے نیز دیگر سامعین اور شائقین بھی ان کے ساتھ موجود تھے۔

بادشاہ نے ایرانیوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا استوا ایرانیو! اس وقت ہر دو طرف سے فریقین اپنے اپنے عقائد کو

سچا اور برحق ثابت کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن تمہارے مجتہد صاحب کی شخصیت غیر معروف ہونے کی صورت میں ان کا مناظرہ پہلے کسی شاگرد کے ساتھ ہوگا۔ بعد ازاں اگر ضرورت پڑی تو شاہ صاحب تمہارے سامنے موجود ہیں۔ یہ سنتے ہی ایرانی مجتہد بھڑکا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا پھر کون ہے جو شاہ صاحب کے سوا میرے ساتھ مناظرہ کرے گا؟ ۱۲ سنے میں اچانک مولانا فضل حق خیر آبادی اسٹیج کے سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا ہم سب تیار ہیں مناظرہ کے لیے جس کو چاہو اور ساتھ ہی ہاتھ کو تمام طلباء کی طرف سے گھوما کر اپنے سینے پر بحالت دلیرانہ رکھا جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے خود کو مناظرہ کے لیے پیش کر دیا ہے۔

ایرانی مجتہد یوں کیا افق المبین پڑھے ہوئے ہو؟ مولانا (فضل حق خیر آبادی) نے بحالت غصہ فرمایا افق المبین، افق المبین تو خون کے جھٹکروں سے آلودہ ہے اور تمام کی تمام نادانی پر موقوف ہے۔ اتنا فرما کر اعلیٰ تشیع کی کتاب افق المبین کی ابتداء سے عبارت پڑھنا شروع کر دی۔ تھوڑی سی پڑھ کر اس کی تردید فرمائی۔ علامہ ہر قول کو اس طرح ٹھکراتے کہ اس میں صریح دعویٰ غلطیوں کا اظہار پھر مفہوم پر جرح اس طرح کرتے کہ سامعین کے روکتے کھڑے ہو گئے۔ ابتداء سے انتہاء تک اس کی تمام عبارت تھوڑی تھوڑی پڑھ کر اس کی تردید کر دیتے۔ اس طرح اس کتاب کو بے معنی اور لغو ثابت کر دیا اور سینکڑوں اعتراضات اس پر ظاہر کیے کہ وہ کتاب بالکل لادینی اور بے علمی کی طرف منسوب فرمادی۔

ایک مولانا صاحب موجود تھے جو عبدالرشید صاحب کے نام سے مشہور تھے فرماتے تھے کہ حقیقتاً افق المبین اسی روز میں نے پڑھی اور اس کے پرچے اڑتے بھی دیکھے۔ وہ (ایرانی شیعہ) مجتہد فوراً شاہ صاحب کے قدموں پر آگرا کہنے لگا جس ہستی کے شاگردوں کی یہ شان ہے تو استاذ صاحب کتنی عظمت کے مالک ہوں گے۔

شاہ (عبدالعزیز) صاحب نے ایرانی کی پرواہ تک نہ کی اور اٹھ کر جناب مولانا فضل حق خیر آبادی کو سینے سے لگا لیا۔ مولانا (فضل حق خیر آبادی) فرماتے ہیں کہ ”تمام علوم مجھے اس وقت حاصل ہوئے جب شاہ صاحب نے مجھے سینے سے لگایا تھا۔ اس سے پہلے تو کچھ علم ہی نہ تھا“۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا علم، ذہن اور حافظہ عنایت فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

جنور غریب نواز (خواجہ قمر الدین سیالوی) نے فرمایا یہ واقعہ مولانا عظمت اللہ نے مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی سے سنا اور مجھے بیان فرمایا۔ اس طرح مولانا فضل حق صاحب اور میرے (خواجہ قمر الدین سیالوی) کے درمیان دو واسطے ہوئے۔ ایک تو ان کے صاحبزادہ صاحب مولانا عبدالحق اور دوسرے میرے استاذ مولانا عظمت اللہ۔

فرمایا کشمیر کے راجہ نے خواہش ظاہر کی کہ مولانا فضل حق خیر آبادی کو دعوت دوں اور علمی نکات آپ سے سنوں۔ چنانچہ بڑی دھوم دھام سے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو سوار یوں کے لیے بھیج دیا تاکہ دہلی سے مولانا کو لائیں۔ جب وہ لشکر

بصورت وفد ملی پہنچا اور آپ کے حاشیہ نشین طلباء سے حاضری کا مقصد ظاہر کیا تو طلباء نے فرمایا کہ اس طرح مولانا کا وہاں تشریف لے جانا مشکل ہے۔ تم واپس چلے جاؤ، ہم آہستہ آہستہ زمین ہموار کریں گے یعنی آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں گے۔ جب آپ کا ارادہ ہو گیا تو موقع پر لا کر تمہیں آگاہ کریں گے۔

جب وہ واپس چلے گئے تو طلباء کرام نے وہ مقصد حاصل کرنے کا حیلہ اس طرح بنایا کہ کسی نے کہا مولانا کشمیر کا وعفران بہت عمدہ ہے، دیکھنے کے قابل ہے۔ (علامہ فضل حق خیر آبادی نے) فرمایا واقعی وعفران کا پودا دیکھنا چاہیے۔ دوسرے دن کسی دوسرے طالب علم نے عرض کیا غریب نواز وہاں کے میوہ جات اعلیٰ قسم کے ہیں۔ تیسرے نے عرض کی وہاں کی آب و ہوا اور باغات خوشگوار ہیں۔ اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ خود مولانا نے فرمایا کہ کشمیر کی سیر کرنی چاہیے۔

طلباء نے تیاری شروع کر دی۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو طلباء نے عرض کیا ایسے چلے جانا مناسب نہیں ہوگا وہاں کا راجہ اگر دعوت دے تو بہتر ہوگا۔ مولانا نے فرمایا وہ کیسے دعوت دے گا؟ طلباء نے خفیہ طور پر راجہ کے ہاں پیغام لکھ بھیجا کہ اب آؤ۔ پیغام پہنچتے ہی راجہ کے آدمی ہاتھیوں وغیرہ کی سواریوں کے ساتھ پہنچ گئے۔

طلباء کو فکر لاحق ہوئی کہ مولانا تو اعلیٰ دماغ کے مالک ہیں۔ جب کسی سے نام معقول و ناپسند نہیں تو فوراً بول دیتے ہیں ”چوتیا بکواس بکتا ہے“ اگرچہ مخاطب کوئی بھی ہو۔ امیر و غریب کا لحاظ نہیں رکھتے (یا کہہ دیتے چوتیا کیا بک رہا ہے)۔ لہذا اگر راجہ سے کوئی نام معقول بات ہوئی تو آپ نے یہی الفاظ فرما دیئے ہیں اور اس کا بہت برا اثر ہوگا۔ اس لئے مولانا سے عرض کی کہ مہاراجہ نہ معلوم کس طرح کا آدمی ہے۔ اس کی طبیعت و مزاج سے واقفیت تو ہے نہیں، بے علم اور جاہل ہونے کی وجہ سے نام معقول بات کرے گا تو آپ کا مزاج برداشت نہ کر سکے گا۔ کہیں اپنی جہالت پر بھڑک گیا تو نازبا ہوگا۔ اسی لئے بہتر ہے کہ آپ تشریف نہ لے جائیں، پھر کسی وقت اپنے آپ ہی چلے جائیں گے۔

مولانا نے فرمایا ہم اس سے نام معقول سمجھ کر بات کریں گے تو پھر اس کی باتوں پر غصہ نہ آئے گا۔ بہر حال بڑی دھوم دھام سے تشریف لے گئے۔ جب راجہ کے ہاں نشست ہوئی تو راجہ نے کہا مولانا کچھ منطق سنائیں۔ اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ مولانا کو قے آگئی اور پھر غصہ میں آگ بگولا ہو گئے۔ اس نے پھر دوبارہ کہا مولانا کچھ منطق کی باتیں سنائیں۔ مولانا سے ترہانہ گیا فوراً فرمایا ”چوتیا کیا بکواس بکتا ہے؟ منطق کوئی ڈگڈگی تھوڑی ہے کہ بجانا شروع کر دوں“۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس آ گئے۔

حضور غریب نواز (خواجہ قمر الدین) نے فرمایا مولانا (فضل حق خیر آبادی) کی طبیعت غیر معقول اور لغو باتوں سے نہایت متنفر ہو جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اگر ایسے مکان میں جاتے جہاں اس کے اندر سامان نامناسب حالت میں پڑا

ہوتا یعنی اوپر والی اشیائے نیچے اور نیچے والی اوپر پڑی ہوئی دیکھتے تو فوراً غصہ ہو کر واپس ہو جاتے۔

آپ (خواجہ قمر الدین سیالوی) نے فرمایا مولانا عبدالحق صاحب کے بھانجے مولانا عبد السلام بہت بڑے تبحر عالم تھے۔ ایک مرتبہ دیوان صاحب کی خدمت میں ایک اور بھی مولوی صاحب موجود تھے اور قدرتا وہاں میں بھی موجود تھا۔ مولانا عبد السلام صاحب کی موجودگی میں دیوان صاحب نے مولوی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے بیان کیا تو مولانا عبد السلام صاحب بولے اس طرح نہیں تو نے غلط بیان کیا ہے۔ دیوان صاحب کے فرمان پر میں نے دوبارہ بالتفصیل بیان کیا تو مولانا نے اپنے ہاتھ کو سامنے نکال کر فرمایا میرا ہاتھ چومو میرا ہاتھ چومو ان الفاظ سے بھی اشارہ تھا کہ صحیح مطلب بیان نہیں ہوا۔

آپ (خواجہ قمر الدین) فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یہ کون ہیں جو بیان ہو کر کے کہہ رہے ہیں میرا ہاتھ چومو! چنانچہ جب تیسری بار نہایت ہی تفصیل سے بیان کیا تو پھر بولے میں نے جو کہا ہے میرا ہاتھ چومو میں نہیں کہہ رہا میرا ہاتھ چومو۔ پھر دیوان صاحب سے میں نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے فرمایا تمہارے استاد ذرا اے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے بھانجے ہیں۔ یہ سن کر میں اٹھا اور ان کا ہاتھ چوم لیا اور معافی طلب کی کہ جرأت کر بیٹھا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ پہلے مولوی صاحب تو بالکل اصل مطلب نہ سمجھے اور نہ ہی بیان کر سکے، تم نے کچھ پتے کی بات کہی تھی۔ اس لئے متوجہ رہا۔

آپ (خواجہ قمر الدین سیالوی) نے فرمایا خیر آبادی بہت ہی تبحر علماء ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہدایت پر تھے۔ اگر خدا نخواستہ کسی دوسرے عقیدہ پر ہوتے تو کیا کیا کرتے۔ مولانا عبد السلام کی والدہ ماجدہ کو ان کے والد ماجد مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب نے خود پڑھایا تھا۔ وہ (علامہ کی صاحبزادی) پڑھاتے وقت طلباء سے پس پردہ استفسار فرماتی تھیں۔ بچوں! کون سی کتاب پڑھنے کے لیے لائے ہو اور کہاں سے پڑھنی ہے؟ طلباء کے کہنے پر اس مقام سے زبانی تقریر فرمادیا کرتی تھیں۔ طلباء سے عبارت بالکل نہیں سنتی تھیں اور تمام اسباق زبانی پڑھایا کرتی تھیں۔ یہ مولانا فضل حق خیر آبادی کی بیٹی مولانا عبدالحق کی ہمشیرہ اور مولانا عبد السلام کی والدہ تھیں۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین

5 رمضان المبارک کی رات بعد از نماز تراویح (خواجہ قمر الدین سیالوی نے) فرمایا کہ دیوبندیوں کی سرکوبی تو مولانا فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ نے کر دی تھی۔ بریلوی لوگوں کو تو سانپ سرکوفت مل گئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا کا مناظرہ جو مولوی اسماعیل اور سید احمد اللہ شاہ کے ساتھ ہوا تھا کو بیان فرمایا کہ مولانا فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ نے ایک بے مثال رسالہ (جس کا نام ”امتناع النظیر“ ہے) لکھا ہے جس میں دیوبندیوں کے عقیدہ ”امکان کذب باری تعالیٰ“ کا رد فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی رحمہ اللہ نے انگریز کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ جب چیف جسٹس کے ہاں

مقدمہ پیش ہوا تو لوگوں نے مولانا کی خاطر سوچا کہ گواہوں کو بٹھالیا جائے اور اس بات پر گواہوں کو مستحکم بھی کر دیا گیا کہ مولانا کے خلاف بیان نہ دیں۔ اگرچہ مولانا نے حق کہا تھا مگر بڑے بڑے علمائے کرام محض مولانا کی جان بچانے کی خاطر موقع پر بیان تبدیل کرنے کو تیار ہو گئے۔ جب چیف جسٹس نے بیان لینے شروع کئے تو ایک مولوی صاحب نے بیان دیتے ہوئے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا مجھے معلوم نہیں۔ شاید یہ مولانا تو نہ تھے۔ جب اس نے دو تین دفعہ اس طرح کی خلاف واقعہ گفتگو کو دہرایا تو خود مولانا بول اٹھے کہ اس مولوی صاحب کو یاد نہیں یا بھول رہے ہیں ”میں ہی تو تھا۔ آپ نے“ حق بات کا اقرار فرما کر اپنے کامل ایمان ہونے کا ثبوت دے دیا۔

جب انگریز نے آپ کو جزیرہ انڈیمان (کالے پانی) بھیج دیا تو وہاں بھی آپ کو چابک لگائے جاتے تھے۔ انہوں نے اس حال میں بھی تعلیمی مشغل کو نہ چھوڑا۔ چنانچہ کسی صاحب کو جو حج پر جا رہا تھا ایک قصیدہ لکھ کر دیا اور فرمایا یہ قصیدہ مدینہ منورہ میں روضہ انور رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھنا۔ جب وہ قصیدہ فصیحانہ انداز میں پیش کیا گیا تو فصیح و بلیغ عرب لوگ عیش و عشرت کر اٹھے اور کہا تین سو سال کے بعد یہ قصیدہ فصیحانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے تک اس قسم کا قصیدہ نہیں لایا گیا۔ اس وقت عرب میں ترکوں کی حکومت تھی اس لئے قصیدہ کی داد دی گئی۔

فرمایا حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ابھی انگریز کی قید میں تھے بلکہ انہیں کالے پانی بھیج دیا گیا تھا وہیں شہید ہوئے ان کا حزر ابھی جزیرہ انڈیمان میں ہے۔

مولانا (فضل حق خیر آبادی) کو کہا گیا کہ قاسم کا ترجمہ لکھ دیجئے آپ کو رہا کر دیا جائے گا۔ فرمایا میں اس کتاب کو بے قدر نہیں کرنا چاہتا۔ آپ نے وہیں کالے پانی ہی میں بصورت قید ناٹ پر کوسے کے ساتھ ایک کتاب لکھی جو نہایت ہی دردناک واقعات سے بھر پور ہے۔ اپنے تمام واقعات اس میں درج فرمائے۔ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہوتا تھا۔ خون اور پیپ وغیرہ بدن سے بہتے رہتے اور اسی حالت میں کتاب تحریر فرماتے رہتے تھے۔ انہوں نے اسی کتاب میں لکھا کہ میں ایسی جگہ بھیجا گیا ہوں جہاں نہ کوئی آبادی ہے نہ گندم ہے۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں *لا طیبہ لا نور ولا بر ولا نور* اور یہ بھی لکھا *قل فانی شط النعصم الکالح الی شط النعصم المالح* مجھے ترش روٹن کے خصے نے شوریلے دریا (ٹھیکن دریا) کی طرف پھینک دیا۔ اس کتاب کا نام ”رسالہ غداریہ“ ہے۔

یہ کتاب لکھ کر صاحب علم الصیفہ کو دی۔ جب وہ رہا ہوئے تو فرمایا (یہ کتاب) میرے لڑکے عبدالحق کو دے دینا۔ مرحوم (مولانا عبدالحق) کو ملا تو وہ پڑھتے بھی تھے اور روتے بھی تھے کیونکہ نہایت ہی الناک حالت میں لکھی گئی تھی۔ (علامہ فضل حق خیر آبادی) اس وقت نماز بھی اشارہ سے ادا فرماتے تھے۔ نہایت نحیف و نازک حالت میں بھی تصنیف کو

ترک نہ فرمایا۔ آپ مجسم علم تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت فرماتے ہوئے کلام الہی چہرہ کے سامنے لئے ہوئے وصال فرمایا تو قرآن مجید چہرہ پر رہا۔

مولانا (فضل حق) فرماتے کہ لوگوں کے زخموں پر مرہم کئے جاتے ہیں، میرے زخموں سے پیپ و خون بہتا تھا تو کوڑے لگائے جاتے تھے۔

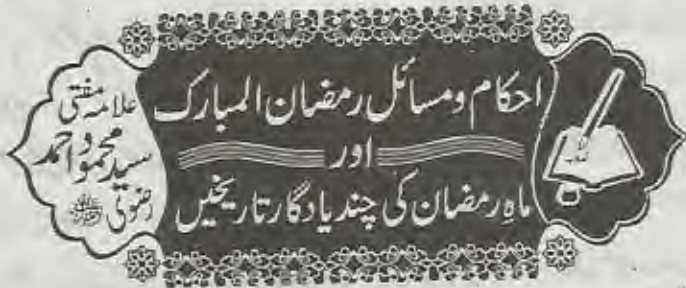
مولانا عبدالحق کے علاوہ ان (علامہ فضل حق) کی ایک بیٹی بھی عالمہ تھیں جو مولانا جو عبدالحق صاحب سے زیادہ قابل تھی۔ جب مولانا عبدالحق بیمار ہوئے تو طلباء سے کہہ دیتے کہ مائی صاحبہ سے سبق پڑھ لیتا۔ مائی صاحبہ پس پردہ زبانی سبق پڑھاتی تھیں اور لیجنٹ اپنے والد ماجد مولانا فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ جیسی تقریر فرماتیں۔ (علامہ کی انہی صاحبزادی کا ذکر خیر پہلے گزر چکا ہے)

مائی صاحبہ کی قابلیت دیکھ کر مولانا (فضل حق) بھی فرمایا کرتے کہ کاش ثو عبدالحق ہوتی۔ پھر آپ (خواجہ قمر الدین سیالوی) نے مائی صاحبہ کے لڑکے مولانا عبد السلام صاحب کے ساتھ دیوان صاحب کی موجودگی میں ملاقات کا واقعہ سنایا جو پہلے رقم کیا جا چکا ہے۔ آپ نے فرمایا حالانکہ مولانا عبد السلام صاحب ظاہری طور پر داڑھی منڈائے ہوئے تھے اور مائی صاحبہ کو بھی لوگ عرض کرتے تھے کہ ان کو نماز پڑھنے کی تاکید فرمایا کریں۔ لیکن جب فوت ہوئے تو ان کا خادم دیوان صاحب کو لے گیا۔ ان کا مصلی دکھایا جو نہایت ہی گھسا (پھٹا) ہوا تھا اور قرآن مجید دکھایا جو آنسوؤں سے لت پت تھا۔ پوشیدہ طور پر اندر ہی جماعت کراتے اور نماز پڑھا کرتے۔ عجیب مذاق تھا کہ لوگ ان کی عبادت سے بے خبر بلکہ فرائض کی ادائیگی کا بھی پتہ تک نہ تھا۔

14 ربیع الآخر 1395ھ بوقت عشاء شب سہ شنبہ بنگلہ شریف میں حاضری نصیب ہوئی۔ حاجی محمد بخش صاحب سیال آف ٹھٹھہ محمد پناہ آپ کو ملے اور ان کو کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ اس کے بعد (خواجہ قمر الدین سیالوی نے) حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ کا یہ شعر پڑھا۔

اے فرقی در کعبہ رقی بارہا
تا مسلمان تا مسلمان ہوز

جب بندہ نے کمرے ہو کر مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ فرقی مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی رحمہ اللہ کا قاری میں تخلص ہے اور اپنے آپ کو خطاب فرمایا ہے۔ دراصل معنی یہ ہے کہ اگر کعبہ میں بار بار جانے سے حالت تبدیل نہ ہوئی عادات اسی طرح رہیں تو تا مسلمان تا مسلمان، والا معرہ صادق آتا ہے۔



رویت ہلال:

شریعت میں رویت ہلال کا اعتبار ہے جو واضح طور پر یا شرعی شہادت سے ثابت ہو۔ چاند دیکھنے کی شہادت شہر کے مقتدر عالم کے سامنے پیش کرنی چاہیے۔ چاند کے ثبوت کے لئے خطاً تاراً افواہ بازار ریزہ وائرلیس، ٹیلی ویژن کی خبر بالکل معتبر نہیں ہے۔ اگر 29 شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے 30 دن پورے کریں۔ یونہی 29 رمضان کو چاند نظر نہ آئے اور شرعی شہادت سے بھی اس کا ثبوت نہ ملے تو رمضان کے 30 دن پورے کر کے عید کریں۔ شک کا روزہ رکھنا گناہ ہے۔

مسائل سحری:

سحری کھانا سنت ہے اور باعث برکت بھی اگرچہ ایک قدم ہی کھائے۔ سحری میں تاخیر مستحب ہے مگر اتنی نہیں کہ وقت میں شک ہو جائے۔ اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو بحالت جنابت سحری کھا سکتا ہے۔ ویسے غسل جنابت میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ وضو میں کلی ایسی کہ منہ کے ہر اندرونی حصے پر پانی بہہ جائے اور ناک میں اس طرح پانی لیتا جہاں نرم بانسہ (ہڈی) ہے پانی پہنچا تا سنت مؤکدہ اور غسل جنابت میں فرض ہے۔ کلی اور ناک میں پانی نہ لیا تو غسل ہی نہ ہوگا۔ اس لئے روزہ دار کو غسل فرض میں اس احتیاط سے کلی کرنی چاہیے کہ منہ کے ہر اندر پر پانی بہہ جائے مگر حلق سے نیچے نہ اترے اور ناک میں پانی اس احتیاط سے لیا جائے کہ نرم بانسہ وصل جائے اور پانی نہ حلق میں اترے نہ دماغ میں چڑھے۔

روزہ کی نیت:

روزہ کی نیت بعد غروب آفتاب میں مخوی کبریٰ تک ہے۔ ہر روز کے لیے نیت لازم ہے۔ نیت زبان سے بہتر ہے اور نیت مخوی کبریٰ سے پہلے کرے تو روزہ ہوگا۔ رات کو نیت کرے یوں کہے: **هَوَيْتُ أَنْ أَصُومَ غَدًا لِلَّهِ تَعَالَى مِنْ فَرَضِ رَمَضَانَ** میں نے نیت کی کہ کل اس رمضان کا فرض روزہ اللہ کے لیے رکھوں گا۔ اگر نیت دن میں کرے تو یوں کہے: **هَوَيْتُ أَنْ أَصُومَ هَذَا الْيَوْمَ لِلَّهِ** میں نے نیت کی کہ آج اس رمضان کا فرض روزہ اللہ کے لیے رکھوں گا۔ سحری نیت ہے جب کہ کھاتے وقت یہ ارادہ ہو کہ روزہ رکھوں گا۔

روزہ کی حقیقت:

نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد 10 شعبان 2ھ میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ عرب شرع میں مسلمان کا بنیہ عبادت صحیح صادق سے غروب آفتاب تک خود کو قصد اکھانے پینے اور جماع سے باز رکھنا روزہ ہے۔ عورت کا حیض و نفاس سے خالی ہونا شرط ہے۔ رمضان المبارک کا روزہ رکھنے کے ساتھ ہر روزہ دار پر یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ صرف کھانے پینے اور مباشرت سے ہی اجتناب نہ کرے بلکہ قول و فعل، لہجہ و لہجہ اور دیگر معاملات میں بھی پرہیزگاری اختیار کرے جیسا کہ ﴿لعلکم تتقون﴾ سے ظاہر ہے۔ روزہ کی حالت میں آدمی ہاتھ پاؤں کو کسی بھی نہ کے کام کے لیے حرکت نہ دے۔ گالی گلوچ، فحش جیسی خرافات زبان پر نہ لائے، نہ کان میں پڑنے دے۔ اس کی آنکھ بھی غیر شرعی کام کی طرف نہ اٹھے بلکہ انسان تقویٰ کا عملی نمونہ بن جائے۔

روزہ نہ رکھنے کے شرعی عذر:

● جب آدمی ایسا بیمار ہو کہ روزہ رکھنے سے جان جانے یا مرض کے بڑھنے یا دیر پا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ جب صحت ہو جائے قضا کرے۔

● ایسا بوڑھا کہ روز بروز کمزور ہو گا نہ اب روزہ رکھنے پر قادر اور نہ بظاہر آئندہ قادر ہو سکے گا۔ ہر روز کے بدلے فدیہ دے یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ یہ بوڑھا شخص جو فدیہ دیتا رہا۔ پھر روزہ پر قادر ہو گیا تو فدیہ نفل ہو گا اور روزہ کی قضا لازم ہے۔

● جو ایسا مریض یا بوڑھا ہو کہ گرمیوں میں روزہ نہ رکھ سکے ہو تو اب اظہار کرے۔ سردیوں میں رکھ لے۔

● حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی کو جب انہیں اپنی ذات یا بچہ کا اندیشہ ہو، روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن قضا لازم ہے۔

روزہ توڑنا گناہ ہے:

روزہ رکھ کر بلا عذر شرعی توڑ دینا سخت گناہ ہے۔ ہاں اگر ایسا بیمار ہو گیا کہ نہ توڑنے سے جان جانے کا خطرہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا احتمال قوی ہو یا ایسی شدید پیاس لگی کہ مر جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے البتہ صحت ہو جانے پر قضا لازم ہے۔

● مسئلہ: جن کا روزہ فاسد ہو جائے ان پر اور حیض و نفاس والی پر جب دن میں پاک ہوں، نابالغ پر جب دن میں بالغ ہو مسافر پر جب دن میں مقیم ہو واجب ہے کہ پورے دن روزہ دار کی طرح رہیں۔

● مسئلہ: نابالغ جو بالغ ہو کافر جو مسلمان ہو ان پر اس دن کی قضا واجب نہیں ہے۔

روزہ کے مکروہات:

● کسی چیز کا بلا عذر چکھنا، چنانا یا اس طور کہ حلق سے نیچے نہ اترے ● جھوٹ ● چغلی ● غیبت ● گالی گلوچ ● کوسنا ● ناحق ایذا دینا ● بے ہودہ فضول بکنا ● چیخنا ● چلانا ● لڑنا ● شطرنج، جو، تاش وغیرہ کوئی ناجائز کھیل کھیلنا ● سینما دیکھنا ● منہ میں بہت سا تموک جمع کر کے نگل جانا ● ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔ یہ تمام امور مکروہات روزہ سے ہیں۔

ان صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوگا:

● بھول کر کھانا پینا ● جماع کرنا ● بلا اختیار گرد و غبار، دھواں، کھسی یا منہ پر حلق میں چلا جانا ● بوقت غسل کان میں پانی کا پڑ جانا ● خود بخود قے آ جانا خواہ منہ بھر کر ہو ● آنکھ میں دوائی ڈالنا ● دن میں سوتے ہوئے احکام ہو جانا ● دانتوں میں جو چیز رہ گئی مگر چنے کی مقدار سے کم ہو اس کو نگل لینا ● تل دانتوں میں رہ گیا اس کو نگل لیا ● بیوی کا بوسہ لیا چھو اور انزال نہ ہوا۔ ان سب صورتوں میں روزہ فاسد نہ ہوگا۔

● مسئلہ: بحالت روزہ سرمہ لگانے، سر اور بدن پر تیل لٹے، مسواک کرنے، خوشبو، عطر وغیرہ سو گھنٹے سے روزہ فاسد نہ ہوگا اور یہ باتیں روزہ کو مکروہ نہیں کرتیں۔

روزہ کے مفسدات:

کلی کرنے میں پانی حلق کے نیچے اتر گیا۔ ناک میں پانی ڈالنے میں دماغ تک چڑھ گیا۔ قصداً منہ بھر کر کھانے، پیپ یا خون کی قے کی یا منہ بھر کر قے خود آئی اور چنے برابر یا زیادہ نگل لی۔ چنے برابر یا زیادہ کھانا دانتوں میں اٹکا تھا نگل گیا۔ ناک میں دوا، نموک لی۔ مباشرت قاحضہ کرنے، بوسہ لینے، چھونے سے انزال ہو گیا۔ حقہ، بیڑی، سگریٹ، بنگار وغیرہ پینے پان کھانے اگرچہ بیک تموک دے حلق تک نہ جائے ان تمام صورتوں میں روزہ دار ہونا یاد ہے تو روزہ جاتا رہا اور قضا لازم ہے۔

دانتوں سے خون نکلا اور حلق میں داخل ہو گیا اگر تموک غالب ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر خون غالب ہے تو روزہ فاسد ہوگا۔ قصداً دھواں پہنچایا خواہ وہ کسی چیز کا ہو۔ اگر بتی سلگتی تھی اس کے دھوئیں کو ناک میں کھینچا۔ منہ میں رنگین ڈورا رکھا تموک رنگین ہو گیا اس کو نگل لیا یا منہ میں نسوار ملی ان صورتوں میں روزہ جاتا رہا۔ قضا لازم ہے۔

● مسئلہ: کان میں تیل پٹکا یا دماغ کی چھلی تک زخم تھا۔ دوا لگائی اور زخم تک پہنچ گئی یا حقہ یا ناک سے دوا چڑھائی یا پتھر، کنکر، روٹی، کاغذ گھاس وغیرہ ایسی چیز کھائی جس سے لوگ گھمن کرتے ہیں یا رمضان المبارک میں بلا نیت روزہ کی طرح رہا یا صبح کو نیت کی تھی یا دن میں زوال سے پیشتر نیت کی اور بعد نیت کھا لیا یا روزہ کی نیت کی تھی مگر روزہ رمضان کی نیت نہ تھی یا اس کے حلق میں بارش کی بوند یا اولہ چلا گیا۔ بہت سے آنسو یا پسینہ نکل گیا ان صورتوں میں صرف روزہ کی قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔
● انگشتن سے روزہ نہیں ٹوٹا لیکن روزہ کی صورت میں نہ چاہیے کہ قریض علی الفساد ہے۔ ہاں اگر جوفہ دماغ یا جوفہ معدہ میں انگشتن سے دوا یا غذا پہنچے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

● قصد اگر روزہ یاد ہوتے ہوئے کھا یا پیا یا جماع کیا۔ بھول کر کھا پی رہا تھا۔ روزہ یاد آنے پر یا سحری کھا رہا تھا صبح صادق ہونے پر منہ کا نوالہ یا گھونٹ نکل گیا تو روزہ چاتا رہا قضا و کفارہ دونوں واجب ہو گئے۔
● اگر باہر سے اٹھا کر ایک تل چبا کر نکل گیا روزہ فاسد ہوا قضا لازم اور بے چبائے نکلنا تو قضا و کفارہ دونوں لازم۔
● اسی طرح جس کو حقہ کی عادت ہو اس نے بھلائی روزہ کھٹے سگریٹ پیا تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں۔

روزہ کا فدیہ:

ہر روزہ کے بدلے ہر روز دونوں وقت مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا صدقہ فطر کی مقدار مسکین کو دینا۔

روزہ کا کفارہ:

● باندی یا غلام آزاد کرنا ● یہ نہیں تو پے درپے (مسلل) ساٹھ روزے رکھنا۔ ● اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا۔

افطار:

افطار میں جلدی سنت و موجب برکت ہے۔ غروب کا غالب گمان ہونے پر افطار کر لیا جائے۔ نماز سے پہلے افطار کریں۔ کھجور، چھوڑے یہ نہ ہوں تو پانی سے ان تینوں سے سنت ہے۔ کھانے میں مشغول ہو کر نماز میں تاخیر نہ کریں۔ مرد جماعت کھانے کی وجہ سے نہ چھوڑیں۔ آج کل بہت لوگ اس میں جملہ ہیں۔ وقت افطار یہ دعا پڑھیں ﴿اللهم انی لک صمت و بک امنت و علیک توکلت و علی رزقک الفطرت فاغفر لی ما قدمت و ما اخرت﴾
مسائل تراویح:

20 رکعت تراویح ہر غیر معذور مرد و عورت کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ مستورات گھر میں پڑھیں اور مردوں کے لیے

مسجد میں جماعت سے پڑھنا سنت کفایہ ہے۔ نیت سنت تراویح کریں۔ تراویح کا وقت فرض عشاء کے بعد صبح صادق تک ہے، قبل وتر پڑھیں یا بعد وتر۔

● مسئلہ: ہر چار رکعت تراویح کے بعد بقدر چار رکعت بیٹھنا اور تسبیح و تہلیل یا درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ تسبیح کے کلمات یہ ہیں ﴿سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمت والہیبة والقدرة والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا یتام ولا یموت۔ مسبح قدوس ربنا ورب المملکة والروح۔ لا الہ الا اللہ نستغفر اللہ ونسئلك الجنة ونعوذک من النار﴾

● مسئلہ: تراویح کے بعد لوگوں کو بیٹھنا ناگوار ہو تو نہ بیٹھیں۔

● مسئلہ: تراویح جماعت کے ساتھ گھر میں پڑھی جائیں تو جماعت کا ثواب مل جائے گا مگر مسجد کے ثواب سے محروم رہے گا۔

● مسئلہ: اگر اپنی مسجد میں قسم قرآن نہ ہو یا باجماعت تراویح نہ ہو یا دوسری جگہ امام خوش الحان، خوش عقیدہ صحیح خواں متعج ست ہو اور ان وجوہ سے مسجد محلہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانا جائز ہے۔

● مسئلہ: امام محلہ بدعتیہ یا ریش بریدہ (ڈاڑھی منڈا تا) ہو تو دوسری مسجد میں جانا ضروری ہے۔

● مسئلہ: ایک امام کو دو مسجدوں میں پوری تراویح پڑھانا جائز نہیں۔

● مسئلہ: ایک امام کے پیچھے پوری تراویح پڑھنا افضل ہے۔

● مسئلہ: اگر فرض جماعت سے نہ پڑھ سکا تو اس کو تراویح جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ اگر فرض اور تراویح دونوں جماعت سے ادا نہیں کئے تو اس کو تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا ممنوع ہے لہذا اگر تارک جماعت فرض اور تراویح یا فقط تارک جماعت فرض و تراویح جماعت پڑھے گا تو فعل مکروہ کا مرتکب ہوگا اگرچہ وتر ادا ہو جائیں گے۔

● بعض مساجد میں تراویح میں نابالغ لڑکوں کو امام بنایا جاتا ہے جو باوجود نابالغ ہونے کے مسائل صلوٰۃ سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے اور نابالغ کی نماز خالص نقل ہے لہذا نابالغ لڑکے کے پیچھے منہ مؤکدہ ادا نہیں ہوتیں۔

● مسئلہ: بعض مسجدوں میں ریش بریدہ (ڈاڑھی منڈے) امام مقرر کئے جاتے ہیں۔ ڈاڑھی منڈا لانے والے اور ایک مشت سے کم رکھنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ ایسوں کو امام بنانا گناہ ہے اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

- مسئلہ: سونے کی انگٹھی پہننا، خالص ریشمی لٹکی، قمیص اور تہبند مرد کو استعمال کرنا حرام ہے اور اس کے ساتھ نماز بھی مکروہ ہوگی
- مسئلہ: بلند ہونے اور بے دینیوں کو امام بنانا مطلقاً ناجائز ہے۔

اعکاف:

رمضان کے خاص اعمال میں سے ایک اعکاف بھی ہے۔ اعکاف کیا ہے؟ ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ کے در پر پڑ جانا اور اس سے لو لگا کے بیٹھ جانا۔ اس کا اصل وقت رمضان کا آخری عشرہ ہے۔ یوں تو رمضان کا پورا مہینہ خاص رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے لیکن اس حیثیت سے اس کا آخری عشرہ پہلے دو دنوں عشروں سے بڑھا ہوا ہے کہ قرآن پاک کا نزول بھی آخری عشرہ ہی میں ہوا تھا۔ شب قدر بھی اسی عشرہ میں آتی ہے، اس لئے اعکاف کے لئے اسی عشرہ کو مقرر کیا گیا۔

رمضان کے دنوں میں صیام اور راتوں میں قیام تو ایمان والوں کے لئے رمضان کے مجاہدہ اور رمضان کی عبادت کا عام نصاب ہے۔ پھر اللہ کے جو بندے رحمت والے اس مہینہ کی رحمتوں اور برکتوں میں خاص حصہ لینا چاہیں ان کے لیے خاص نصاب اعکاف ہے یعنی اللہ کی کسی مسجد میں اپنے جسم کو مقید کر دے۔ حاجت بشری کے سوا وہاں سے نہ نکلے۔ اسی طرح اپنے باطن کو صرف اللہ کی طرف متوجہ کر دے۔ اسی کی یاد ہو، اسی کا دھیان ہو۔ اسی کی عبادت ہو، اسی کی تسبیح و تہلیل ہو۔ اسی سے ڈرنا، اسی کے حضور میں رونا اور تڑپنا ہو۔ اسی کے سامنے گونگڑانا ہو۔ غرض وہاں بس وہ بندہ ہو اور اس کا رب کریم۔

حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں برابر اعکاف فرماتے تھے۔ ایک سال کسی وجہ سے آپ اعکاف نہیں کر سکے تو اگلے سال آپ نے 20 دن کا اعکاف فرمایا اور ایک سال ایسا بھی ہوا کہ رمضان کے پورے مہینہ میں آپ محکف رہے۔

اللہ تعالیٰ جن کو توفیق دے وہ آخری عشرہ میں اعکاف کریں اور جن کے لئے کسی وجہ سے اس کا موقع نہ ہو وہ بھی اتنا ضرور کریں کہ آخری عشرہ میں اپنے دوسرے مشغلوں کو کم سے کم کریں اور دن رات زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے ذکر میں قرآن مجید کی تلاوت میں، اللہ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں مصروف اور دعا و استغفار میں مشغول رہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ رمضان کی آخری دس راتوں میں خود بھی جاگتے تھے اور اپنے گھروالوں کو بھی بیداری کا حکم فرماتے اور ترغیب دیتے تھے۔

20 رمضان المبارک کی عصر سے عید کا چاند دیکھنے تک اعکاف کرنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے یعنی تمام شہر کے یا تمام محلہ کے مسلمانوں سے ایک شخص بھی اگر اعکاف کرے گا تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے۔ گوٹا ب سے محروم رہیں گے لیکن ترک سنت کا الزام کسی پر نہ رہے گا۔

- مسئلہ: اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا چاہیے جس میں بیچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو۔
- مسئلہ: بعد نیت اعتکاف حد مسجد سے نکلتا بجز انسانی حاجتوں اور شرعی ضرورتوں کے حرام ہے۔
- مسئلہ: انسانی حاجتیں پیشاب پاخانہ اور نہانا ہے (اگر نہانے کی حاجت ہو) اور استنجا کرنا اور وضو کرنا ہے۔
- مسئلہ: اگر کوئی گھر سے مسجد میں کھانا لانے والا نہ ہو تو کھانے کے واسطے بعد مغرب گھر تک جانا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کھانا گھر سے لائے اور مسجد میں کھائے۔

● مسئلہ: حاجات شرعی میں نماز جمعہ ہے لہذا نماز جمعہ کو ایسے وقت میں جائے کہ وہاں جا کر چار سنتیں پڑھ کر خطبہ سن لے اور بعدہ چھ رکعت سنت پڑھے۔ بلا ضروریات مذکورہ محکف کو مسجد سے باہر نکلتا مکروہ ہے مگر جب تک کہ آدمی دن سے زیادہ مسجد سے باہر نہ رہے گا اعتکاف نہ ٹوٹے گا۔ اعتکاف میں محکف کو کھانا پینا سونا دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا مسائل دینی کا بیان کرنا بزرگان دین و انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات بیان کرنا۔ اگر ضرورت پڑے تو مال لائے بغیر مسجد میں خرید و فروخت جائز ہے۔

جمعۃ الوداع:

حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کے ارشاد کے مطابق جمعہ کا دن سید الایام اور تمام دنوں سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص کا یہ دن سلامتی و رحمت اور عبادت و ریاضت میں گزرے اللہ تعالیٰ اسے ہفتہ بھر کی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے گا۔ ایک حدیث میں ہے **جمعة الجمة عید للمؤمنین** جمعہ مسلمانوں کی عید ہے۔ جمعہ اور عید میں بہت سے امور مشترک ہیں۔ جمعہ کے دن غسل کرنا اُجلا لباس پہننا اور خوشبو لگانا سنت ہے اور یہ چیزیں عید کے دن بھی مستنون ہیں۔ جمعہ اور عید دونوں میں باجماعت دو دو رکعت ہیں دونوں میں اجتماعیت ہے اور خطبہ لازمی ہے۔ جمعہ قضا ہے نہ عید کی اگر جماعت فوت ہو تو تنہا آدمی جمعہ ادا کر سکتا ہے نہ عید۔ جمعہ کی قضا ہو جائے تو ظہر پڑھی جائے۔ قرآن مجید میں جمعہ کے احکام سورہ جمعہ میں بیان ہوئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن ایک ساعت آتی ہے جس میں ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ ساعت نماز عصر کے بعد آتی ہے اور اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو عصر کی نماز سے فراغت کے بعد مغرب کی نماز کے انتظار میں لگا رہے۔ ذکر و فکر میں مشغول رہے اور اپنے مقصد کو پیش نظر رکھے یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لئے سب سے پہلے مسجد

میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اونٹ کے صدقہ کے برابر ثواب دیتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر جانے والے کو گائے کے صدقہ کے برابر، تیسرے نمبر پر جانے والے کو مینڈھے کے برابر چوتھے نمبر پر جانے والے کو مرغی کے صدقہ کے برابر اور پانچویں نمبر پر جانے والے کو ایک اونٹ کے صدقہ کے برابر ثواب ملتا ہے اور جب خطیب خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو فرشتے بھی سننے کے لئے مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں یہ صرف جلدی جانے کا ثواب ہے اور نماز کا ثواب الگ ہے اور وہ بہت زیادہ ہے۔ ارشاد و رسالت مآب ﷺ ہے کہ جمعہ کی نماز ادا کرنے والے کے وہ تمام گناہ جو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان ہوتے ہیں بخش دیئے جاتے ہیں۔

جمعہ المبارک کسی بھی ہفتے کا ہو مومنوں کے لئے باعث برکت و رحمت اور موجب نجات و مغفرت ہے لیکن رمضان المبارک کا آخری جمعہ جو جمعہ الوداع کے نام سے مشہور ہے نور علی نور اور قرآن السعدین ہے۔ جمعہ الوداع مسلمانوں کی عظمت و شوکت اور ہیبت و جلالت کا عظیم مظہر ہے۔ اس دن لوگ انبوہ درانبوہ جامع مساجد کی طرف اللہ تعالیٰ عزوجل کا نام بلند کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ ایسے میں ملائکہ انہیں اپنے حجر مٹ میں لے لیتے ہیں اور حریم ناز سے رحمت و مغفرت کی بارش ہوتی ہے۔ جمعہ الوداع کا یہ مبارک دن بلاشبہ دعاؤں کی مقبولیت کا دن ہے۔ اس دن اسب مسلمہ کی قلاع و بیہود اور عالم اسلام کے عزت و غلبہ کے لئے خصوصی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ اس دن قضاء عمری نام کی کوئی نماز بھی ادا کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں عمر بھر کی تقاضائیں اس ایک ہی سجدے میں ادا ہو جاتی ہیں۔

عوام میں یہ خیال نامعلوم کیسے اور کہاں سے رواج پا گیا ہے؟ بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ جو نمازیں رہ گئی ہیں وہ جمعہ الوداع کی قضاء عمری کے دولفل سے ادا نہیں ہو سکتیں اس کے لئے بہر حال ان فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔

۳۰ ماہ رمضان المبارک کی چند یادگار تاریخیں

● 3 رمضان المبارک 11 ہجری وصال: سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا:

خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کی تاریخ ہے۔ آپ سرور عالم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام حضرت خدیجہ الکبریٰ ہے۔ آپ اعلان نبوت سے ایک سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادوں میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما بہت بلند پایہ امام ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی اور فرماتے تھے کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ حضرت فاطمہ کو آنحضرت ﷺ کی وفات کا بہت بڑا رنج

ہوا۔ آخر اسی غم میں بیمار رہے لگیں اور پھر 3 رمضان 11 ہجری میں وفات پا گئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے غسل دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور عشاء کی نماز کے بعد جنت البقیع میں دفن کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے بعد جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ نیک اور سچا کسی کو نہیں پایا۔

● 10 رمضان المبارک 10 نبوت وصال: ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:

ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی تاریخ ہے۔ خاندان قریش کی بہت پارسا اور مالدار خاتون تھیں۔ 40 سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ سے شادی کی۔ اعلان نبوت کے پہلے دن مسلمان ہو گئیں اور دنیا میں سب سے پہلی مسلمان خاتون ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد آپ ہی کے بطن انور سے پیدا ہوئی۔ صرف حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے۔ آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں اور اپنے مال کو بے دریغ اشاعت اسلام میں خرچ کرتی تھیں۔ آپ کا نکاح ابو طالب نے پڑھایا تھا اور 500 درہم مہر آنحضرت ﷺ کی طرف سے ادا کئے تھے۔ 65 سال کی عمر میں 10 رمضان المبارک 10 نبوت میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے قبر میں اتارا۔ نماز جنازہ ابھی تک فرض نہیں ہوئی تھی۔

● 17 رمضان المبارک 2 ہجرت بدر:

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلہ ہوتا ہے۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے قریب اسی میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے ہمراہیوں نے جب ہجرت فرمائی تو قریش نے ہجرت کے ساتھ ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اسی اثنا میں یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی تھی کہ مسلمان قافلہ کو لوٹنے آرہے ہیں اور اس پر مزید کہ حضری قتل کا اتفاق واقعہ پیش آ گیا جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔ حضور ﷺ کو جب ان حالات کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور امر واقع کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں جاں نثاریانہ تقریر کی۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (سردار خزرج) نے عرض کی حضور! خدا کی قسم آپ اگر فرمائیں تو ہم سمندر میں ٹوڈ پڑیں۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا ہم موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ کے داہنے سے بائیں سے سامنے سے پیچھے سے لڑیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان پُر غلوص جملوں سے حضور سید عالم ﷺ کا چہرہ اقدس چمک اٹھا۔

بھر قیامت تک تیری عبادت کے لیے کوئی نہ ہوگا۔“

یہ معرکہ ایثار و جاں نثاری کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ دونوں فوجیں سامنے آئیں تو ان کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے ان کی تلواروں کے سامنے تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جو اب تک کافر تھے میدان جنگ میں بڑھے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کے سامنے تھے۔ عتبہ میدان میں آیا تو عتبہ کے فرزند حذیفہ رضی اللہ عنہ مقابلہ کو نکلے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔ سب سے پہلے عتبہ نے میدان جنگ میں مبارز طلبی کی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ و عبیدہ رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ عتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے اور ولید حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابل ہوا۔

سعد بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبید سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں نکلے۔ تاک کر اس کی آنکھ میں برہمی ماری۔ وہ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔

اب عام حملہ شروع ہو گیا۔ مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے لیکن حضور سید عالم ﷺ سر بسجود رب العزت پر بھروسہ فرمائے ہوئے تھے۔

ابو جہل، نخع معاذ و معوذ کے ہاتھوں مارا گیا۔ عتبہ اور ابو جہل کے مارے جانے پر قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا اور فوج مشرکین میں بے دلی چھا گئی۔ خاتمہ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شخصوں نے شہادت پائی جن میں چھ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی طاقت ٹوٹ گئی۔ رد ساق قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔

یہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی اور اس کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ رب العزت نے اس کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا اور تین ہزار فرشتے آسمانوں سے مسلمانوں کی حمایت و نصرت کے لیے نازل فرمائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں فرشتے ہمیں نظر نہ آتے تھے مگر ان کے افعال نمایاں تھے۔ کہیں کسی مشرک کے منہ اور ناک پر کوڑے کی ضرب کا نشان پایا جاتا تھا اور کہیں بے تلوار سر کٹا نظر آتا تھا۔ جنگ بدر دراصل یوم فرقان تھا کہ کفر و اسلام میں فرق ہو گیا اور اللہ عز و جل نے ضعف کے باوجود مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی چنانچہ اس نعت کو یوں بیان فرمایا۔ ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بَدْرًا وَالنَّصْرُ لِلَّهِ﴾ اللہ نے بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کی حالانکہ تم کمزور تھے۔

اہل بدر کے فضائل میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت مقرر فرمادی ہے۔ (حدیث) اس لڑائی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خلوص و اللہیت کے ساتھ کلمہ حق کی بلندی کے لیے میدان میں نکلا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ

نصرت حق ہمارے شامل حال نہ ہو۔

آج بھی ہو کر ابراہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

● 17 رمضان المبارک 57ھ وصال: ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی تاریخ ہے۔ آپ حضرت ابوبکر کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔
شوال 2ھ میں آنحضرت کے ساتھ شادی ہوئی اور آپ کے ساتھ 9 سال رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ بڑی زبردست عالمہ فقیہہ اور
فاضلہ تھیں۔ اشعار سے بڑی دل چسپی رکھتی تھیں۔ آپ نے بہت کثرت سے احادیث بیان کی ہیں۔ بڑے بڑے صحابی آپ سے
مسائل دریافت کرتے آتے تھے۔ آپ نے منگل کی رات 57ھ میں انتقال فرمایا۔ بیعت شریف میں مزار ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
نے نماز پڑھائی۔ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان مدینہ کا گورنر تھا۔

● 21 رمضان المبارک 40ھ وصال: چہارم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وصال کی تاریخ ہے۔ آپ ابوطالب کے بیٹے اور آنحضرت کے چچا زاد بھائی
تھے۔ 32 ولادت نبوی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے اور بچوں میں سب سے پہلے
مسلمان ہیں۔ آنحضرت ﷺ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ بھی سچے جاں نثار تھے۔ ہجرت کی رات کو ہمسر
رسول پر لیٹ کر آپ نے عہد المصالحت کا ثبوت دیا۔ تمام جہادوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور شجاعت کے
وہ جو ہر دکھائے جو یادگار رہیں گے۔ خیبر کی فتح کا سہرا آپ ہی کے سر پر بندھا۔ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر اور
حضرات حسین رضی اللہ عنہا کے والد محترم ہیں۔ 18 ذی الحجہ 35ھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ ہوئے۔
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی وجہ سے آپ کو دومرتبہ ان سے جنگ کرنی پڑی۔ پہلی جنگ جمل ہے جو 36ھ میں ہوئی۔
دوسری جنگ صفین ہے جو 37ھ میں ہوئی۔ خارجیوں کی مخالفت کو آپ نے بہت دہایا اور پھر ایک خارجی کے ہاتھ سے
شہید ہوئے۔ کوفہ کی جامع مسجد میں 18 رمضان کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ عبدالرحمن ابن ملجم نے مخبر سے حملہ کر کے سخت
زخمی کر دیا۔ 2 دن کے بعد 21 رمضان کو وفات پا گئے۔ صاحبزادوں نے عبداللہ بن جعفر کی مدد سے غسل دیا۔ حضرت امام
حسین رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نجف اشرف میں سپرد خاک کیا۔



تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور درود اس ذات اقدس پر جو تمام رسولوں سے افضل ہے۔

نماز تراویح کیا ہے؟ یہ رمضان المبارک کا قیام ہے، جس کی دعوت نبی اکرم ﷺ نے دی اور پھر اپنے قول، فعل اور عمل سے اس کی تائید فرمائی۔ خود آپ ﷺ نے یہ نماز ادا کی اور ہمیں ادا کرنے کی ترغیب دی۔ اس نماز کی ترغیب دلاتے ہوئے نبی ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا صحیح بخاری میں اس طرح منقول ہے ”جو کوئی ایمان و احتساب کے ساتھ ماہ رمضان کا قیام کرے گا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔“

یہ قیام اللہ کے قرب کے ذرائع میں سے عظیم ذریعہ اور اس کی اطاعت کے طریقوں میں سے عمدہ طریقہ ہے کہ رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں ایک مومن عبادت کی لذت، چاشنی اور مناجات کی خاطر کھڑا ہو، اس ذات باری کی بارگاہ میں جس نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے خزانے نچھاور کر دیئے ہیں اور ان کے لئے ابواب رجا کھول دیئے ہیں۔ نماز تراویح رمضان المبارک کی زینت ہے کہ اس سے رمضان کی راتیں منور ہوتی ہیں جیسے دن روزہ سے منور ہوتا ہے۔

اہل اسلام اور آئمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے کہ نماز تراویح کی رکعتیں بیس ہیں اور سب سے پہلے جس نے انہیں شروع کیا وہ خود نبی اکرم ﷺ ہیں کہ جنہوں نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پہلے دوسرے اور تیسرے روز نماز تراویح ادا کی جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ جب چوتھا روز ہوا۔ مسجد نمازیوں سے کچھ کھج مھر گئی تو نبی اکرم ﷺ نماز تراویح کے لئے تشریف نہیں لائے کہ کہیں یہ فرض قرار نہ دے دی جائے۔ اس نبی ﷺ محسن کے ہم پر اس احسان کی خاطر اللہ رب العزت ان کے مرتبے بلند فرمائے اور ان پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے۔

چنانچہ اس کے بعد سے مسلمان الگ الگ انفرادی طور پر تراویح پڑھا کرتے یا چند افراد کو کسی کو اپنا امام بنا لیتے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا اور کسی نے کہا اگر ان لوگوں کو کسی ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا جاتا تو

اچھا ہوتا۔ چنانچہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے سب سے اچھی قرأت کرنے والے صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں لوگوں کو جمع کیا۔ اب وہ جماعت سے لوگوں کو تراویح پڑھانے لگے۔

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو حضرت ابی کی اقتداء میں تراویح پڑھتے دیکھ کر فرمایا ”یہ ایک اچھا نیا کام ہے“ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ نماز تراویح کی رکعت صرف آٹھ ہیں اور آٹھ پڑھنا ہی سنت ہے اور یہ کہ اگر کوئی آٹھ سے زیادہ پڑھے گا تو وہ بدعت کا مرتکب ہوگا، ایسا کہنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کا ارتکاب ہوگا گویا اس نے صحابہ کو غلط راہ پر سمجھا اور مندرجہ ذیل اسباب کی بناء پر اس نے نادانستہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

① نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اپنی اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے ”جو کوئی تم میں سے زندہ رہے گا بہت سے اختلافات دیکھے گا پس ایسے میں میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا۔“

② حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو میں رکعت پڑھانے کا حکم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا چنانچہ یہ اجماع صحابہ سے ملے پایا کہ بیس ہی رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت نہایت خطرناک امر ہے۔ کیونکہ اس سے (نعوذ باللہ) صحابہ کرام کو گمراہ ٹھہرانے کا پہلو نکلتا ہے کہ گویا وہ سب کے سب ایک غلط کام پر متفق ہو گئے جب کہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ پھر نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا“ اس کی کیا توجیہ ہوگی جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ کیا واقعی ایسا نہیں؟ کسی کو ان کے خلیفہ راشد ہونے میں شک ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو سنت مطہرہ میں سند موجود ہے۔

③ ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف چلیں، جبکہ ان کے بارے میں خود نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے عمر کے دل اور زبان پر حق جاری کر دیا ہے۔ عمرو وہ ہیں کہ جن کی رائے کے مطابق متعدد مواقع پر نزول قرآن ہوا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین بار میں نے اپنی منشاء کو رب کی منشاء کے مطابق پایا۔

④ بیس رکعت کے مسنون ہونے پر دلیل سنت میں موجود ہے۔ جیسا کہ سنن ابوداؤد میں ہے کہ ”جب حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور جب رمضان کا آخری عشرہ ہوتا تو ابی غائب ہو جاتے حتیٰ کہ لوگ کہنے لگتے ابی بھاگ گئے۔

⑤ اسی طرح مؤطا امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

⑥ آخر مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا اس پر اجماع ہے کہ تراویح میں رکعت ہیں۔ انہوں نے یہ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی بناء پر کیا ہے اور اس سے کم رکعات کسی نے نہیں کہیں۔ البتہ ایک روایت امام مالک کی 36 رکعت کی ہے اور جو کوئی یہ سمجھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بدعت ہے جیسا کہ بعض علم کے دعویداروں کا کہنا ہے تو یہ ایک صحابی جلیل پر بہت بڑا بہتان ہے۔ جو کوئی کم علم، جاہل اور فہم و فراست سے خالی شخص ہی لگا سکتا ہے۔

⑦ ہمارے کرم و محترم شریفین ہیں اور حرمین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے آج تک ہمیشہ مسلمانوں نے بیس رکعت تراویح ہی ادا کی ہیں۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں اتنے طویل عرصہ سے جو لوگ بیس تراویح ادا کرتے رہے کیا وہ سب جاہل تھے اور بدعت و گمراہی پر قائم رہے؟

اس دور میں اس ملک (سعودی عرب) کے علماء بدعتوں اور غنی غنی باتوں کے (بظاہر) سب سے زیادہ مخالف ہیں اگر یہ بیس رکعت بھی بدعت ہیں تو حرمین شریفین میں بدل کر آٹھ رکعات تراویح کیوں نہیں پڑھائی جاتیں؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس ملک کے علماء جانتے ہیں کہ بیس رکعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور جس پر امت محمدیہ کا اجماع ہوا ہے کیوں کر تبدیل کیا جاسکتا ہے؟

⑧ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کا جہاں تک تعلق ہے جس میں آپ نے یہ کہا کہ ”نبی اکرم ﷺ نے رمضان یا رمضان کے علاوہ کبھی بھی گیارہ رکعت سے زیادہ رات کی نماز نہیں ادا کی۔ اُس میں وہ اس نماز کا تذکرہ کر رہی ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے گھر میں ادا کی۔ اس بات کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بات سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے بتایا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ گیارہ رکعتوں سے زیادہ ادا کی ہیں اور بارہ رکعت کے بعد وتر پڑھے ہیں چنانچہ ایک وتر ہو تو تیرہ رکعتیں ہوئیں اور اگر تین وتر حضور ﷺ پڑھتے تو یہ پندرہ رکعتیں ہو جاتیں اور یہ روایت صحیح بخاری میں پانچ متعدد روایات میں سے ہے جبکہ مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شب سترہ رکعتیں ادا

کیں اور جس نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ دیگر روایات اور گزشتہ روایت بخاری میں ان کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت حضور ﷺ کی گھر پر نماز تہجد سے متعلق ہے نہ کہ نماز تراویح سے متعلق جیسا کہ بعض اہل علم نے اس کی وضاحت کی ہے۔

⑨ بعض لوگوں نے تراویح کے بارے میں کہا کہ جس نے آٹھ رکعت سے زیادہ ادا کیں وہ ایسا ہے جیسے کوئی فجر کی چار رکعت ادا کرے یا جیسے کوئی دو رکوع اور چار سجدے ایک فرض میں کرے۔ یہ بات کتنی عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ نماز تراویح اجماع سے ثابت شدہ سنت ہے۔ اس کو فرض پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے اور اس کی مثال اس طرح کیسے دی جاسکتی ہے؟

⑩ ان تمام باتوں کے خلاصہ کے طور پر ہم وہ بات نقل کرتے ہیں جو باطل کی کڑوڑی کھال کے لئے کافی ہے اور وہ ہے علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کا قول جو السنن میں ہے کہ ابو عبد اللہ احمد بن حنبل کے نزدیک تراویح میں رکعت ہیں۔ یہی امام ثوری اور امام ابو حنیفہ و امام شافعی و امام مالک کا مذہب ہے۔ البتہ امام مالک کا ایک قول چھتیس رکعت کا ہے جو اہل مدینہ کے عمل سے متعلق ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ”ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کیا تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس رکعت ہی پڑھایا کرتے تھے جیسا کہ سنن ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور یہ ایک طرح کا اجماع ہے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اہل مدینہ چھتیس رکعت ادا کرتے تھے تو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اجماع صحابہ کی بنا پر قابل اتباع قرار پائے گا۔ (السنن، جلد 1، ص: 604)

علماء فقہائے امت نے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا اور اسی پر حنبلی مذہب کے آئمہ کا عمل ہے اور یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بالا اجماع ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کی پیروی کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

ارکان اسلام میں نماز کے بعد دوسرا اہم ترین رکن زکوٰۃ ہے۔ قرآن کریم میں 82 مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم یکجا وارد ہوا ہے۔



نماز تراویح ایک ایسی عبادت ہے جو صرف ماہ رمضان المبارک ہی میں ادا کرنا مسنون ہے اور یہ زمانہ رسالت مآب ﷺ سے آج تک مسلمانوں میں متواتر رائج چلی آرہی ہے۔ نماز تراویح کی ترغیب خود نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“ (مسلم)

شرح مسلم میں امام نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔ دیگر شارحین حدیث نے بھی اس سے مراد نماز تراویح ہی لی ہے۔

﴿تاریخ وابتداء تراویح﴾

صحیحین کی بعض روایات کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے نماز تراویح پڑھی لیکن مصلحتاً جماعت کے ساتھ پورا مہینہ نہیں پڑھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ آدھی رات کے وقت مسجد تشریف لے گئے اور نماز ادا کی۔ لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنی شروع کی دی۔ صبح لوگوں نے رات کی نماز کا آپس میں تذکرہ کیا چنانچہ پہلی مرتبہ سے زیادہ لوگ (اگلی رات میں) جمع ہو گئے۔ دوسری رات نبی اکرم ﷺ تشریف لے گئے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ پھر لوگوں نے صبح اس واقعہ کا (دیگر لوگوں سے) ذکر کیا (تو) تیسری رات مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور چوتھی رات کو اس قدر کثرت سے صحابہ کرام جمع ہوئے کہ مسجد میں جگہ تک پڑھنی اور رسول اللہ ﷺ ان (لوگوں) کے پاس تشریف نہیں لائے چنانچہ لوگوں نے نماز، نماز پکارتا شروع کر دیا مگر رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے وقت تشریف لائے۔ جب صبح کی نماز ہو گئی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد فرمایا ”گزشتہ رات تمہارا حال مجھ پر مخفی نہ تھا لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ رات کی نماز (تراویح) فرض کر دی جائے گی اور تم اس

کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ گئے۔ (مسلم)

مندرجہ بالا حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی اکرم ﷺ کو نماز تراویح باجماعت پسند تھی مگر اس خوف سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے فرض ہی قرار نہ دے دیں آپ نے تسلسل کے ساتھ مسجد میں باجماعت یہ نماز ادا نہیں فرمائی۔ پھر اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں الگ الگ بغیر جماعت نماز تراویح کا سلسلہ جاری رہا۔ تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز مسلمانوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں مسجد میں نماز تراویح باجماعت کے لئے جمع فرمایا۔ پس اسی روز سے رمضان کے پورے ماہ میں باجماعت نماز تراویح میں رکعت ادا کرنے کا رواج ہوا۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگرچہ یہ عمل بدعت ہے مگر بدعت حسہ (اچھی نئی بات) ہے۔ (کنز العمال، جلد: 8، ص: 407-408)

﴿نماز تراویح میں ختم قرآن﴾

نماز تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام بھی سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہی کہا کہ ماہ رمضان میں نماز تراویح میں ایک بار مکمل قرآن کریم تلاوت کیا جائے۔ چنانچہ آپ کی قائم کردہ اس سنت پر دنیا بھر کے مسلمان آج بھی عمل پیرا ہیں۔

البتہ آج جس طرح سے نماز تراویح میں ختم قرآن کرتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس دور میں ہوتے تو ہمارا یہ انداز تلاوت وساعت قرآن دیکھ کر یا تو اس کی اصلاح کی خاطر بعض آخر تراویح اور منتظمین کو کوڑے لگواتے یا اس سلسلہ کو سرے سے موقوف فرما دیتے۔ کیونکہ نماز تراویح میں جس تیز رفتاری سے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے وہ نماز تراویح یعنی قیام رمضان کی اصل روح کے سراسر متافی ہے۔ نماز تراویح یا قیام رمضان کا مقصد تو یہ تھا کہ عام مہینوں کی بنسبت اس ماہ میں زیادہ دیر تک راتوں کو عبادت کی جائے اور قرآن کریم زیادہ اہتمام کے ساتھ کثرت سے تلاوت وساعت کیا جائے۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارے موجودہ معاشرہ میں نماز تراویح میں ختم قرآن اب ایک رسم سے زیادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے حافظ یا امام کے پیچھے نماز تراویح پڑھتا پسند کرتے ہیں جو انہیں جلد از جلد تراویح پڑھا کر فارغ کر دے۔ ایسے حفاظ کرام کو پکا اور صحیح حافظ سمجھا جاتا ہے جو انتہائی تیز رفتاری سے تلاوت قرآن کریں اور اس میں غلطی یا بھول چوک بھی نہ ہو۔ نو جوان طبقہ خاص طور سے اس طرف مائل دکھائی دیتا ہے اور ایسی بہت سی مساجد جہاں مناسب رفتار سے ترتیل کے ساتھ الفاظ کی صحیح ادائیگی کا لحاظ کرتے ہوئے نماز تراویح میں تلاوت ہوئی ہو، مقتدیوں کی زیادہ تعداد دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کا

یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اب سرے سے ایسے لوگ ہی نہیں جو سکون و اطمینان سے تراویح میں تلاوت کلام حکیم حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ سننا نہ چاہتے ہوں، بلاشبہ ایسے نیک لوگ اب بھی ہیں مگر اکثریت کا حال وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔

﴿نماز تراویح میں مروجہ جلد بازی کا نقصان﴾

نماز کے تمام ارکان کو ٹھہر ٹھہر کر اور سکون سے ادا کرنا تعدیل ارکان کہلاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری اور فقہ و فتاویٰ کی دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ تعدیل ارکان اعضاء کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ اعضاء کے سب جوڑ کم از کم ایک بار تسبیح پڑھنے کی مقدار ٹھہر جائیں۔ تیز رفتاری سے نماز تراویح میں یا کسی بھی نماز میں اگر تعدیل ارکان نہ ہو سکے جو کہ واجب ہے تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ جن مساجد میں تیز رفتاری سے نماز تراویح پڑھی جاتی ہے وہاں یہ بات بطور خاص نوٹ کی گئی ہے کہ رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ میں اطمینان و سکون ہی مقصود ہوتا ہے، خشوع و خضوع تو بعد کی بات ہے۔ بعض جگہ تو یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ امام نے نیت باندھ کر سورۃ فاتحہ بھی پڑھی لی اور مقتدی ابھی ٹاء بھی نہیں پڑھنے پائے۔

ایسی نماز سے کیا حاصل جس سے روح نماز ہی غائب ہو اور پورا زور کسی نہ کسی طرح میں رکعت کی تعداد پوری کرنے اور جلد از جلد سوایا ڈیڑھ پارہ ختم کرنے پر صرف ہو رہا ہو۔ خدا را اس عمل کی حوصلہ شکنی کیجئے۔ آخر نماز تراویح کو اس بات کا پابند کیجئے کہ وہ تیز رفتاری سے نماز نہ پڑھائیں۔ نوجوانوں، اپنے بچوں اور ساتھیوں کو اس بات پر آمادہ کیجئے کہ وہ اطمینان و سکون سے نماز پڑھنے کو ترجیح دیں۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اطمینان و سکون سے پڑھی ہوئی دو رکعتیں، جلد بازی اور بے سکونی کی بیس تراویح سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح چھوٹی سورتوں کی پُر سکون تلاوت سے ادا کی گئی تراویح کی نماز تیز رفتاری، جلد بازی اور بے سکونی کی ان بیس رکعات سے افضل ہے جن میں آداب و قواعد تلاوت کا لحاظ کئے بغیر قرآن کرنا مقصود ہو۔

﴿قرآن سننے کی اجرت﴾

نماز تراویح میں قرآن سننے کی اجرت مقرر کرنا ایسی قباحت ہے جو معاشرہ میں تیزی سے پھیلی ہے۔ بعض مساجد میں تو ایسے اللہ والے لوگ مل جاتے ہیں جو بغیر کسی معاوضہ کے قرآن کریم سننے کو تیار ہوتے ہیں تاہم ایسی مساجد کی بھی کمی نہیں جہاں پہلے سے حافظ، قاری صاحب سے باقاعدہ اجرت ملنے کی جاتی ہے جسے عرف عام میں خدمت کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض حفاظ کرام (اللہ انہیں معاف کرے) ملے کئے بغیر قرآن سننے پر تیار ہی نہیں ہوتے۔ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ حافظ صاحب ملے نہیں کرتے مگر انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس محلہ سے اتنی رقم اختتام تراویح پر ملنے کی توقع ہے۔ پھر اگر توقع سے کم ملے تو اس پر قناعت کی بجائے برملا اظہار ناراضگی و برہمی بھی فرماتے ہیں۔ نماز تراویح کے لئے یا قرآن پڑھنے یا

سنانے کے لئے اجرت پیشگی طے اور مقرر کرنا حرام ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جو قرآن سنانے کی اجرت مقرر کرواتا ہے۔ لہذا مساجد کی انتظامیہ کمیٹیوں اور حفاظ کرام سے بعد احترام درخواست ہے کہ وہ قرآن سنانے کی اجرت طے کر کے لوگوں کی نمازیں خراب کرنے سے باز رہیں۔

﴿نماز تراویح میں لاؤڈ اسپیکر کا بے جا استعمال﴾

رمضان المبارک میں اکثر مساجد میں نماز تراویح میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کیے جاتے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز یہ بذات خود ایک نزاعی مسئلہ ہے۔ تاہم نظریہ ضرورت یعنی زیادہ سامعین و مقتدین تک آواز پہنچانے کی غرض سے اکثر علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس جواز سے جو ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے وہ حد جواز سے تجاوز ہے۔ شہری محلوں میں مساجد عموماً قریب قریب ہوتی ہیں اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز تیز ہوتی ہے جس سے ایک مسجد کی نماز تراویح کی آواز دوسری میں باسانی پہنچ کر وہاں کے نمازیوں کے لئے باعث تکلیف بنتی ہے۔ نیز مساجد کی انتظامیہ اور منتظمین کو اللہ ہدایت دے تو انہیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ جس طرح مساجد میں مرد حضرات نماز تراویح میں مشغول ہیں اسی طرح گھروں پر خواتین بھی نماز ادا کرتی ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی تیز آواز ان کی نماز میں یقینی خلل کا باعث بنتی ہے۔ علاوہ ازیں تلاوت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب تلاوت ہو رہی ہو تو سامع خاموش ہو کر اسے سنے۔ اب علماء کرام سے یہ دریافت کرنا ہے کہ خواتین جن تک لاؤڈ اسپیکر کی آواز پہنچ رہی ہے وہ اس آواز پر توجہ دیں اور اس تلاوت کو سنیں جو آپ انہیں زبردستی سنا رہے ہیں یا اپنی نماز پڑھیں؟

آپ خود اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں

کہا ہم نے اگر تو شکایت ہو گی

براہ کرم مساجد میں اوپر کے لاؤڈ اسپیکر جن کی آواز باہر جاتی ہے نماز تراویح کے دوران تو بند رکھئے تاکہ گھروں پر موجود بوڑھے اور خواتین بھی اپنی نماز سکون سے ادا کر سکیں۔ ہاں البتہ مسجد میں موجود تمام لوگوں تک کی آواز تلاوت پہنچانے کی غرض سے (اگرچہ اس کے آپ شرعاً مکلف نہیں) صرف اندرونی اسپیکر استعمال کر لیا تو بہت سوں کا بھلا ہو۔ بیرونی اسپیکر پر یہ پابندی مساجد کی انتظامیہ اور آئمہ حضرات مل جل کر خود ہی لگائیں تو بہتر ہے ورنہ عام مسلمانوں کے مطالبہ پر اگر کبھی کوئی اسلامی حکومت یہ پابندی لگائے گی تو اسے مداخلت فی الدین گردانا جائے گا اور بد مزگی پیدا ہوگی۔

﴿تین روزہ، چھ روزہ، دس روزہ تراویح﴾

رمضان المبارک میں بڑے بڑے پوسٹرز اور اشتہارات کچھ ان عنوانات کے ساتھ چھپتے ہیں، تین روزہ تراویح، چھ

روزہ تراویح، دس روزہ تراویح کا اہتمام وغیرہ وغیرہ۔

عام لوگ بالخصوص نوجوان طبقہ ایسے پروگراموں میں زیادہ پیش پیش ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طرح ختم قرآن پر شرعاً کوئی پابندی نہیں لیکن آپ مائیں یا نہ مائیں کہ اس عمل خیر سے بے عملی کا جو پہلو برآمد ہو رہا ہے وہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ بعض نوجوان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ تین روزہ یا چھ روزہ تراویح میں اگر ختم قرآن ہو جائے اور اس میں شمولیت کر لی جائے تو پھر رمضان کی باقی راتوں میں تراویح پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور عملاً ایسا ہو رہا ہے کہ چھ روزہ تراویح میں شامل ہونے والے اکثر نوجوان باقی ایام رمضان میں مسجد کا رخ نہیں کرتے۔

یاد رہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس عمل کو پسند کیا ہے، جو اگرچہ تھوڑا ہو مگر اس پر مداومت یا تسلسل رہے اور اس کے مقابلہ میں ایسا نیک عمل جو زور و شور سے ہو مگر اس پر مداومت نہ کی جاسکے اور تھوڑے سے عرصے بعد اس کے اثرات زائل ہو جائیں وہ بہر کیف نظر استحسان سے نہیں دیکھا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر زیادہ دوام ہو خواہ وہ عمل کم ہی ہو۔“ (مسلم)

نماز تراویح پر مداومت اور رمضان کی تمام راتوں میں قیام اور وہ بھی اطمینان سکون کے ساتھ جمعی ہو سکتا ہے۔ جب سکون و اطمینان کے حصول کے جو طریقے ہیں ان پر عمل کیا جائے۔ ایسے تمام طور طریقوں سے اجتناب کیا جائے جو اس ماہ مقدس کی مخصوص عبادت (قیام) تراویح میں بے سکونی و بے اطمینانی کا باعث بنتے ہوں۔

رمضان کی راتوں میں یہ بات بھی نوٹ کی گئی ہے کہ شروع کی تین چار راتوں میں مساجد میں نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ کم ہو کر نصف تک جا پہنچتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو طویل نمازیں پڑھنے کے عادی نہیں یا سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے مگر احترام رمضان و جس شیطان کی وجہ سے مساجد میں آنے لگتے ہیں، تین چار رات مسلسل ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ قیام کر کے تھک جاتے ہیں اور پھر آنا چھوڑ دیتے ہیں۔

اگر ایسا اہتمام ہو کہ ہر محلہ میں کم از کم ایک مسجد ایسی ہو جہاں چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح پڑھنے کا انتظام ہو تو عبادت کی خاطر رمضان میں مسجد کی طرف اٹھنے والے یہ قدم جو دو چار ونوں میں تھک کر رک جاتے ہیں، ان میں دوام اور استقامت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اگر آئمہ حضرات ذرا سی توجہ دیں تو ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے عمل میں مداومت (تثقیل) پیدا کرنے کے خواہر ہو جائیں گے اور ایک ماہ کا یہ کورس انہیں رمضان کے بعد بھی عبادت کی طرف مائل ہی رکھے گا۔

﴿نوافل میں حاضر فرائض سے غائب﴾

بعض لوگ رمضان کی راتوں میں تراویح میں تو بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے شامل ہوتے ہیں مگر سحری کھانے کے بعد نیند سے مغلوب ہو کر فجر کی نماز جماعت سے اور وقت پر ادا نہیں کر پاتے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جانا چاہیے کہ نوافل کی وجہ سے کوئی فرض نہ چھوٹنے پائے۔

دوسری طرف بعض حضرات جو رمضان کی راتوں میں شب بیداری کی دولت لوٹنا چاہتے ہیں وہ دن کے اوقات میں اپنے فرائض منصبی (ڈیوٹی) صحیح طور پر ادا کرنے کی بجائے چھپ چھپا کر سونے کی کوشش کرتے ہیں یا دیر سے ڈیوٹی پر جاتے اور آٹھ بج کر جلد نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے رزق حلال کمانے میں جو دیانتداری و محنت مطلوب ہے وہ نہیں ہو پاتی اور یوں نقلی عبادت کی وجہ سے حقوق العباد میں کمی ہو جاتی ہے، جو کسی صورت بھی مستحسن نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نقلی عبادات میں اس طرح وقت لگایا جائے کہ فرائض خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق متاثر نہ ہونے پائیں۔

نماز تراویح کا حقیقی لطف جمعی حاصل ہو سکتا ہے کہ جب اس کا اصل مقصد پیش نظر رہے اور وہ ہے حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرتے ہوئے، فرائض و واجبات کی پابندی کے ساتھ ساتھ ماہ رمضان میں اضافی طور پر قیام اللیل کی کوشش کرنا اور کامل الطینتان و سکون اور خشوع و خضوع سے نماز تراویح میں کلام حکیم کی سماعت کرنا تاکہ سابقہ گناہوں کی بخشش ہو سکے۔



قطعاتِ تاریخِ شہادت

مولانا سید کفایت علی کاتی رحمۃ اللہ علیہ

﴿سلطانِ دبستانِ نعت گویاں﴾

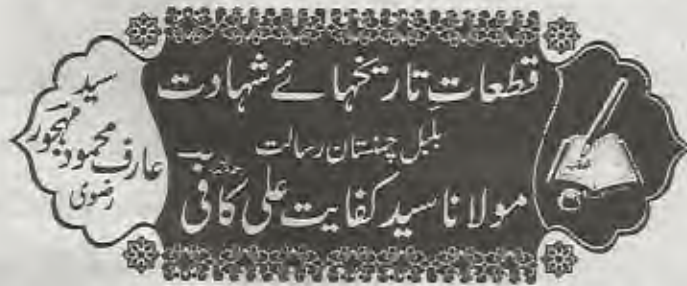
﴿بہشتِ نصیبِ شہیدِ جنگِ آزادی﴾

1274ھ

1247ھ

﴿لطفِ حق مولانا سید کفایت علی کاتی مراد آبادی﴾

1858ء



﴿تاریخ شہادت: 22 رمضان المبارک 1274ھ﴾

اللہ اللہ شہید حق ، کافی عز و شان ثنا و مدحت ہے
زیست اُس کی بسر ہوئی ، کرتے "نعت گوئی کی پوری خدمت" ہے

1858ء

تو رضا کا ہے نعت میں مرشد ذات کافی بلاشبہ ، مجبور
منفتح ٹیچر پہ ہر سخن داں ہے "خانوادہ نعت گویاں" ہے

1274ھ

تازہ حیرا نصاب نعت گوئی ہے تابہ کافی رہے گی حیرتی مہک
زندہ حیرتی کتاب نعت گوئی ہے تو "گلشن شاداب نعت گوئی" ہے

1274ھ

زورچ پھونگی تھی اُس نے جرات کی کہہ دو مجبور سن شہادت کا
جان اُس نے عمل میں دوڑا دی "فصل ایزد ، شہید آزادی"

1274ھ

اے کہ عز و شان و وقار جگ آزادی آؤ اپنائیں ہم میل جل کر سب ، مجبور
اے باعث صد افتخار جگ آزادی "سیرت قافلہ سالار جگ آزادی"

1274ھ





تحریک پاکستان کے رہنما، ممتاز ماہر تعلیم اور بین الاقوامی شہرت یافتہ مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی فرماتے ہیں ”اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا تھا وہ سب یک طرفہ تھا، میرے پاس موجود مواد سارے کا سارا دیوبندیوں کے بارے میں تھا، اس لئے لکھتا گیا۔ میں نے ایک تقریب میں کہا تھا کہ تاریخ کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں، تاریخ تو ایک حکم کا درجہ رکھتی ہے، آپ شہادت پیش کریں تو وہ فیصلہ کرے گی۔ آپ شہادت تو پیش نہیں کرتے، کچھ لکھتے اور بتاتے تو ہیں نہیں اور مورخ سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ خود ہی کچھ لکھے۔ اب کچھ لٹریچر سامنے آیا تو میں نے اس سے استفادہ کیا ہے اور مستقبل کا مورخ بھی استفادہ کرے گا۔“

جب میں علماء اہلسنت کے موضوع پر تحقیق کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ تحریک جہاد کے بارے میں اب تک لکھا گیا ہے وہ سب یک طرفہ ہے۔ اس موقع پر میں نے پروفیسر شاہ فرید الحق سے رجوع کیا اور ان کے ذریعے کچھ مواد حاصل کیا۔ ۲

ہمارے نزدیک ڈاکٹر صاحب کے ارشادات بالکل صحیح ہیں، اس صورت حال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہٹکنا کرانے والے راہنماؤں اور سنی علماء مشائخ کے عظیم کارناموں کو منظر عام پر لانے کے لئے خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی جبکہ کانگریسی مولویوں کے عقیدت مندوں نے قلم کی قوت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنی مرضی سے ایک خود ساختہ تاریخ مرتب کی، خدا کے خوف سے بے نیاز اہل قلم سے گلہ کرنا بے سود ہے۔ اس ضمن میں وہ غیر توغیر، اپنوں کو بھی معاف نہیں کرتے۔ مولوی عامر عثمانی فاضل دیوبند قطر ازیں ”جولائی 1960ء میں خاکسار کراچی میں تھا، یہاں سید محی الدین صاحب سے جو کبھی دارالعلوم (دیوبند) کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے، جن کی ٹیک نفسی اور زہد و تقویٰ پر ان کے واقف کاروں میں کوئی اختلاف نہیں اور جن کے گہرے تعلقات مولانا مناظر احسن گیلانی سے بھی تھے، ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک موقع پر انہوں نے واقعہ سنایا کہ جب ”سوانح قاسمی“ کے چھپنے کی تیاریاں تھیں تو ہمیں اس کو پڑھنے کا بے حد اشتیاق لگا ہوا تھا، چھپ کر آگئی تو ذوق و شوق سے پڑھا لیکن بڑی حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ جن تاریخی امور کا ہمیں علم تھا، ان کا تو اس میں دُور و دریک پنا نہیں مگر ایک نئی تاریخ ضرور موجود ہے۔

اضطراب مضبوط ہوا تو سفر کر کے گیلانی صاحب کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا لکھ دیا؟ گیلانی صاحب کے چہرے پر کرب کی علامات ظاہر ہوئیں اور تاسف کے ساتھ فرمانے لگے، کیا بتاؤں بھائی! کمال ہو گیا جو کچھ میں نے لکھا تھا، وہ تو کچھ اور ہی تھا۔

ہم نے پوچھا، اس کا کیا مطلب ہوا؟ انہوں نے فرمایا، ”میرے تقریباً پانچ سو صفحات بدل دیئے گئے ہیں۔“ اس حقیقت کو اور بھی متعدد حضرات جانتے ہیں اور وہ ابھی زندہ ہیں کہ دارالعلوم کی طرف سے چھاپی ہوئی دارالعلوم کی مستند تاریخ ”سوانح قاسمی“ کس بے تکلفی کے ساتھ اصل مسودے میں تغیرات کر کے چھاپی گئی ہے اور تغیرات معمولی نہیں بلکہ وسیع تر اور بنیادی ہیں۔

یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر تاریخ کو نسخ کر کے از سر نو مرتب کرنے پر ”قویٰ پرائز“ عطا کرنے کا رواج ہوتا تو یہ حضرات یقیناً اس کے مستحق قرار پاتے۔

اہل سنت کی غفلت کی وجہ سے عام تاریخ بلکہ نصابی کتب میں بھی ان لوگوں کو ہیرو کی شکل میں پیش کیا گیا جو پہلے انگریزوں اور اس کے بعد ہندوؤں کے ہمنوا تھے، اس کے برعکس اصل مسلمان رہنماؤں کا تذکرہ کچھ اس انداز سے کیا گیا ہے گویا وہ انگریزوں کے زرخیز غلام تھے، ان کے اشاروں پر کام کرتے تھے اور بالآخر انگریزوں نے جاتے وقت ان خدمات کے عوض انہیں ایک آزاد خود مختار ملک ”پاکستان“ بطور تحفہ دے دیا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ نصابی کتب میں بغیر کسی ہیر پھیر کے تحریک پاکستان کے حامی اور مخالف مذہبی اور دیگر رہنماؤں کا تذکرہ شامل کیا جاتا اور ان میں سے جس نے جو کچھ کیا تھا، اسے نہایت دیانتداری کے ساتھ صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا جاتا۔ اس طریقہ کار سے چونکہ یہ حقیقت سامنے آ جاتی کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے جبکہ سکولر عناصر اور اکٹھ بھارت کے ظہیر دار مولوی عوام کے ذہنوں سے یہ بات نکالنے کی تگ و دو کر رہے تھے لہذا ان کے مابین یہ سمجھوتہ ہو گیا کہ دو قومی نظریہ کا پرچار کرنے والے کسی عالم دین کا نام کسی نصابی کتاب میں شامل نہ کیا جائے۔ ان کتب میں چونکہ مذہبی رہنماؤں کی کارکردگی کا ذکر کرنا بھی بہر حال ضروری تھا، جس کا حل یہ نکالا گیا کہ انگریزوں کے منظور نظر اور مشرک لیڈروں مشرک گاندھی، نہرو، ٹیل وغیرہم کی قیادت میں کام کرنے والے قوم پرست مولویوں کے نام انگریزوں کے جانی دشمن کے روپ میں شامل کیے جائیں۔

ان کتب میں بچوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ قائدین تحریک بالاکوٹ نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا تھا، سکھوں کے بعد وہ اپنے اصل ہدف انگریز کی گردن مردو کر اسے یہاں سے نکالنا چاہتے تھے لیکن سرحد کے ”منافقین“ نے انہیں شہید کر دیا۔ فلاں فلاں حضرات انگریز کے خلاف ڈٹ گئے، اگر وہ جدوجہد نہ کرتے تو انگریز یہاں سے کبھی نہ جاتا اور اس

طرح پاکستان قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مخالفین تحریک پاکستان کے مراکز دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ کاندھلوی اس انداز میں کیا گیا گویا اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو متحدہ ہندوستان میں اسلام ختم ہو جانے کا خدشہ تھا۔ جو طالب علم اس نصاب کو پڑھ کر فارغ التحصیل ہوتا ہے اسے یہ جاننے کی خواہش ضرور ہوتی ہے کہ جن مذہبی رہنماؤں کے متعلق اس نے پڑھا ہے انہوں نے جدوجہد ضرور کی تھی لیکن وہ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان میں شامل نہیں تھے۔ سوادِ عظیم سنی بریلوی حضرات کے متعلق بھی کچھ نہیں بتایا گیا کہ وہ اس دوران کیا کر رہے تھے، ان کے دارالعلوم اور تنظیمیں بھی تھیں ان کا رجحان کس جانب تھا؟ اسلام کو اگر دارالعلوم دیوبند، ممدوہ اور جامعہ اسلامیہ نے بچایا تو کیا سنی بریلوی دینی مدارس اسلام کی حفاظت کرنے کے سلسلہ میں کچھ بھی نہیں کر رہے تھے۔ اس کے ذہن میں یہ سوال بھی بار بار آتا ہے کہ چونکہ متحدہ ہندوستان کے سب مسلمان کسی نہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے اگر کسی بھی مسلک کے رہنما مسلم لیگ کے حامی نہیں تھے تو پاکستان کے لئے جدوجہد کن لوگوں نے کی تھی؟ ان ٹھٹھوں و شبہات کو دور کرنے کے لئے آج کی مصروف دنیا میں تحقیق کرنے کے لئے کسی کے پاس وقت ہی نہیں۔ اس لئے فارغ التحصیل طالب علم کو اگر گھر میں کوئی اصل حقائق سے آگاہ نہ کرے تو وہ نصابی کتاب میں درج معلومات کو درست سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ راقم الحروف عمر صدر از تک قائدین تحریک بالاکوٹ اور ان کے پیروکاروں کو مجاہدین اسلام سمجھتا رہا لیکن بعد میں جب علمائے حق کے لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا تو اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کر لیا۔

اس لحاظ سے تو ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں، ہندوؤں، قوم پرست مولویوں اور انگریزوں کو شکست دے کر پاکستان بنانے کی توفیق عطا فرمائی جو آج بفضلِ خدا انہی قوت بن چکا ہے لیکن یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ یہاں نظامِ مصطفیٰ ﷺ نافذ نہ ہوا جو قیام پاکستان کا اصل مقصد تھا، اس کے لئے ہم سب کو بروئےِ عمر جواب دینا ہوگا۔

اس کے علاوہ ہمیں ایک اور دھچکا لگا کہ بھارتی رہنما اگرچہ اکھنڈ بھارت قائم کرنے میں ناکام رہے لیکن انہوں نے گاندھی فلسفہ متحدہ قومیت کو پس پشت نہیں ڈالا بلکہ جن نیشلسٹ مولویوں نے اس نظریہ کو برحق ثابت کرنے کے لئے قرآن و سنت سے دلائل فراہم کرنے کی ناکام کوشش کی تھی، ان کی خدمات کی سرکاری سطح پر تشہیر کی، ان کی تحریروں، بھارتیہ اور بیانات کو ہندی، عربی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے دنیا بھر کے اعلیٰ علم تک پہنچایا اور یہ تاثر پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمانوں کے مذہبی رہنماؤں کا نقطہ نظر بھی یہی تھا کہ قومیت کا کوئی جھگڑا نہیں۔ سب ہندوستانی بلا تفریق مذہب بھائی بھائی تھے لیکن انگریزوں نے متحدہ ہندوستان کی قوت کو کمزور کرنے کے لئے اسے تقسیم کیا۔ ہماری (پاکستانی) حکومت نے اس بے بنیاد پردے پیٹھ سے کا موثر جواب دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

﴿اہلسنت کا دعویٰ﴾

اہل سنت کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر سنی قائدین نے 1857ء کی جنگ آزادی میں نہ صرف انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتوے دیئے بلکہ خود بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کی جائیدادیں ضبط ہوئیں اور بعض کو پھانسی کی سزا ہوئی۔ اس کے بعد سنی رہنماؤں نے مسلسل انگریزوں کے خلاف مسلمانان ہند کی رہنمائی کی۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ نے دو قومی نظریہ کا احیاء کیا، ہندو مسلم اتحاد کی شدید مخالفت کی، مشرک گاندھی کی سربراہی کو مسلمانوں کے لئے مسخر قرار دیا اور انگریزوں کی طرح ہندوؤں سے بھی ترک موالات کرنے کی ہدایت فرمائی۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ مسلمان اپنی تنظیم بنائیں اور اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے ایک مسلمان سربراہ کی زیر قیادت جدوجہد آزادی میں حصہ لیں۔

فاضل بریلوی قدس سرہ کے خلفاء، معتقدین اور دیگر ہم مسلک علماء و مشائخ نے ان ہی خطوط پر کام کیا۔ ان میں سے کسی نے بھی کانگریس کی حمایت نہیں کی بلکہ بعض براہ راست مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور مختلف عہدوں پر فائز رہے جبکہ اکثریت نے آل انڈیائی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے نظریہ پاکستان کے لئے شب و روز کام کیا جو فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کے دست راست اور مایہ ناز خلیفہ صدر الافاضل مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کی کوششوں سے 1925ء میں وجود میں آئی۔ ان قابل احترام بزرگوں نے کانگریس مولویوں کے ایک قومی نظریہ کا موثر رد کیا اور ان کا ہر موڑ پر پیچھا کیا۔ مزید یہ کہ سنی علماء و مشائخ نے مسجدوں اور عام جلسوں میں تقاریر کر کے مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی رغبت دلائی اور اسے عوامی جماعت بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا، نیز عوام سے چندہ دلوا کر مسلم لیگ کا خزانہ بھر دیا۔ 46-1945ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب کروانے کی خاطر مسلمانوں کے گھروں پر دستک دی۔

یہ دعویٰ کرتا ہے جانے ہوگا کہ یہ ان حضرات کی انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ قوم پرست مولویوں کی انتخابی مہم ناکام ہوئی اور ان کے امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوئیں۔ اس طرح ان کانگریسی مولویوں کا یہ پروپیگنڈہ جھوٹا ثابت ہوا کہ مسلمان عوام کی اکثریت ان کے ساتھ ہے، نیز اس ذلت آمیز شکست کی وجہ سے انہیں اپنے آقاؤں کے سامنے شرمندگی ہوئی اور وہ ان کی نظر سے گر گئے۔

عالمائے یہی وجہ ہے کہ گاندھی فلسفہ متحدہ قومیت سے ہمدردی رکھنے والے لوگ آج بھی ان سنی قائدین کو برداشت

کرنے کے لئے آمادہ نہیں اور وہ انہیں بدنام کرنے کے لئے جھوٹ بولنے کو بھی کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اہل سنت جو کچھ کہتے ہیں وہ صحیح ہے لیکن اسے ثابت کرنے کے لئے مستند تحریری دلائل کی ضرورت ہے۔ آج اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ بھائی دکھاؤ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اہل سنت بحیثیت جماعت مسلم لیگ کے ساتھ تھے؟ ممکن ہے بعض ایسے لوگ موجود ہوں جن کے پاس اس موضوع پر کچھ کتب و رسائل موجود ہوں اور وہ پوچھنے والے کو مطمئن بھی کر دیں لیکن چونکہ مخالفین کی طرح نہ تو دافر مقدار میں اس قسم کا لٹریچر شائع کیا گیا ہے اور نہ ہی وسیع پیمانے پر اس کی تسمیہ کی گئی ہے، اس لئے گزشتہ چند سالوں میں جو قابل ذکر کتابیں بازار میں آچکی ہیں، اکثر سنی حضرات اُن کے ناموں سے بھی واقف نہیں اور مذکورہ کتب بھی صرف چند شہروں میں دستیاب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کو بتانا تو درکنار، اہل سنت کی اکثریت خود ہی اپنے ان بزرگوں کے اسامہ گرامی تک نہیں جانتی جنہوں نے تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ سنی اہل قلم کی اکثریت کی ابھی تک قلم چھوڑ بڑ تال جاری ہے جبکہ مخالفین مسلسل یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ سنی بریلوی حضرات نے کسی بھی تحریک میں حصہ نہیں لیا بلکہ ان کے بڑوں نے مسلم لیگ کے چوٹی کے رہنماؤں پر کفر کے فتوے لگائے اور عمر بھر انگریزوں کے اشاروں پر ناپچے رہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ التزام لگانے والے خود یہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں لیکن چونکہ انہیں یہ علم ہے کہ اہل سنت خوابِ خرگوش کی نیند سو رہے ہیں اور اگر کسی کو نے سے کوئی آواز اُٹھی بھی تو وہ اتنی مؤثر نہیں ہوگی اور ان کی مسلسل چیخ و پکار کو بالآخر فرج ہی سمجھا جائے گا۔ ہماری رائے میں ایسی صورت حال میں خاموش رہنا اپنے پاؤں پر خود کھانا ڈالنے کے مترادف ہے۔

﴿ حوالہ جات ﴾

۱۔ رضی حیدر خواجہ: دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سورتی اکیڈمی کراچی، ص: ۱۸-۱۹

۲۔ ماہنامہ فیضانِ فیصل آباد مارچ ۱۹۷۸ء ص: ۳۱

۳۔ ماہنامہ تجلی دیوبند فروری مارچ ۱۹۶۱ء ص: ۵۷



☆ زکوٰۃ و صدقات وغیرہ میں افضل یہ ہے پہلے اپنے بہن بھائیوں کو دے پھر اُن کی اولاد کو پھر چچاؤں اور پھوپھیوں کو پھر اُن کی اولاد کو پھر ماموؤں اور خالاؤں کو پھر اُن کی اولاد کو پھر دوسرے رشتہ داروں کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے پیشہ والوں کو پھر اپنے گاؤں اور شہر کے رہنے والوں کو۔ ﴿جواہرِ عالمگیری﴾

پاکستان کے حقیقی معمار کون؟

ذاکر محمد مجیب احمد

ایک قول کے مطابق برصغیر میں جب پہلا شخص مسلمان ہوا پاکستان اسی دن ہی بن گیا تھا اور یہ شخص یقیناً سنی تھا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کی نسبت اول ایک سنی نے رکھی اور دو قومی نظریہ کے آغاز و ارتقاء کا سبب بھی ایک سنی ہی بنا۔ اُس اولین رہنمائے پاکستان اور ہمارے اکابر علماء و مشائخ اہل سنت و جماعت کے درمیان کئی صدیوں بعد ہے۔ جس کا اس مختصر وقت میں احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اس فکری و علمی ارتقاء کو بیان کیے بغیر ہم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے تمام سنی مجاہدین اور شہداء کو سلام پیش کرتے ہیں۔ اس جنگ آزادی کے بعد علماء نے کئی مدارس قائم کیے، مختلف انجمنیں اور جماعتیں قائم کیں، مختلف موضوعات پر لٹریچر شائع کرایا، تاکہ مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ کے لیے موثر اقدامات کر کے انہیں آئندہ کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل بنایا جاسکے۔

سنی علماء نے مئی 1921ء میں جماعت انصار الاسلام بریلی قائم کی جو اپنے دیگر مقاصد کے علاوہ مسلمانوں کی سیاسی تعلیم و تربیت کرنے کا مقصد بھی رکھتی تھی۔ اسی سال پیر سید صبحہ اللہ شاہ دوم نے اپنے آباؤ اجداد کے زریں نقش قدم پر چلتے ہوئے انگریز سامراج کے خلاف جہاد کے لیے اپنے مخدوں کو غازی کے نام سے منظم کیا اور انگریز کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ جس کے دوران انگریز کو سندھ کے بعض علاقوں میں مارشل لاء لگانا پڑا اور پیر صاحب کو 20 مارچ 1943ء کو پھانسی دے دی گئی۔

دو قومی نظریہ کے ارتقاء میں 1897ء کو پٹنہ میں ہونے والی سنی کانفرنس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جس میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندو مسلم اتحاد کی ہر سطح پر مخالفت کی۔ اسی لیے وہ 1916ء میں ہونے والی یثاق لکھنؤ اور تحریک خلافت ترک ”دین اکبری“ کا ہندو مسلم اتحاد کے نام سے احیاء کرنے کا منصوبہ تھا۔ مولانا احمد رضا خاں کے علاوہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور سندھ کے اکثر علماء و مشائخ بھی ان تحریک کے مخالف تھے۔

یہ ان تحریک کے دوران قائم ہونے والے نام نہاد ہندو مسلم اتحاد کا ہی نتیجہ تھا کہ 1922ء کے آخر میں ہندوؤں نے شدھی تحریک کا آغاز کیا۔ اس کے سدباب کے لیے دوسری سنی تنظیموں کے علاوہ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی اور انجمن

خدام الصوفیہ ہند اور اس کے رہنماؤں خصوصاً مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی، مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور پیر جماعت علی شاہ علی پوری نے شاندار خدمات سر انجام دیں اور تقریباً چار لاکھ افراد کو مرتد ہونے سے بچایا۔

مسلمانان ہند کے خلاف انگریز اور ہندوؤں کے ساتھ ساتھ قوم پرست رہنماؤں کی بیڑہتی ہوئی ریشہ دوانیوں کے خلاف اہل سنت کی منتشر قوتوں کو ایک پلیٹ فارم کے ذریعے مربوط و منظم کرنے کے لیے مارچ 1925ء میں مراد آباد میں ”آل انڈیائی کانفرنس“ کا قیام عمل میں آیا۔ ابتدائی ایک خالص دینی تبلیغی جماعت تھی تاہم بعد ازاں حالات کے بدلنے ہوئے تقاضوں کے تحت اس نے سنی مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے بھی اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اسی طرح نومبر 1927ء میں پیر محمد فضل شاہ جلال پور شریف نے تحریک حزب اللہ کا آغاز کیا۔ جس کے مقاصد میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور ان کی سماجی و دینی حالت کو بہتر کرنا بھی شامل تھا۔

1936-1937ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست کا سامنا کرنے کے بعد اپنی تنظیم نو اور معاشرہ کے مختلف طبقات سے رابطہ قائم کرنا کا احساس ہوا۔ دوسرے طبقات کی طرح علماء و مشائخ نے بھی مسلم لیگ کی اس کوشش کو سراہتے ہوئے اس سے ہر ممکن تعاون کرنا شروع کر دیا اور اپنے حلقہ ہائے اثر میں مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کی تبلیغ و اشاعت کا بھرپور انداز میں آغاز کر دیا۔ اس سلسلے میں پیر جماعت علی شاہ، مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا محمد برہان الحق جیل پوری کے ہندوستان بھر کے طوقانی دوروں کی اہمیت اور اثرات کے جھنڈے کو اسلام کا جھنڈا اور باقی تمام جھنڈوں کو کفر کے جھنڈے قرار دیا گیا۔

23 مارچ 1940ء کے مسلم لیگ کے تاریخی سالانہ اجلاس میں قرارداد لاہور (جسے بعد ازاں قرارداد پاکستان کہا گیا) منظور کی گئی۔ اس اجلاس میں سنی علماء و مشائخ بھی موجود تھے جن میں نمایاں نام مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، پیر امین الحسنات ماٹکی شریف، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مرتضیٰ احمد خان مکیش، مولانا عبد الغفور ہزاروی، پیر عبد اللطیف زکوڑی شریف، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا ابراہیم علی چشتی اور مولانا محمد عبدالستار خان نیازی ہیں۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے تو قرارداد کے حق میں بے زور تقریر بھی کی تھی۔ اس قرارداد کا منظور ہونا تھا کہ سنی علماء و مشائخ نے پورے ہندوستان میں مطالبہ پاکستان کے حق میں مسلم رائے عامہ کو ہموار اور منظم کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران سلطان الواعظین حضرت مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بھی خاصا مقبول ہوا۔

پاک اللہ پاک احمد پاک جسم و جان ہو

کیوں نہ رہنے کے لیے ملک پاکستان ہو

علماء کی اسی حمایت کی تحریک کو مزید تقویت اس وقت ملی جب اپریل 1943ء میں مسلم لیگ نے علماء و مشائخ کے نام باقاعدہ ایک اجیل جاری کی جس کے ذریعے اُن سے درخواست کی گئی کہ وہ اور ان کے لاکھوں پیروکار مطالبہ پاکستان کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ جہت کوشش کریں۔ چنانچہ اس اجیل کے بعد سنی علماء و مشائخ نے ہندوستان بھر میں اور خصوصاً مسلم اکثریتی صوبوں میں جلسوں، عرس کی تقریبات اور محافل میلاد و دیگر دینی و روحانی تقریبات کے ذریعے نظریہ پاکستان اور مطالبہ پاکستان کے لیے مسلمانوں کو یکسو کر دیا۔ اس تحریک کا نقطہ کمال 1945-1946ء کے انتخابات کی انتخابی مہم تھی۔ یہ انتخابات پاکستان یا انڈیا بھارت کی بنیاد پر لڑے گئے۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کو جو بھاری اکثریت حاصل ہوئی وہ سنی علماء و مشائخ کی حمایت کی مرہون منت تھی۔

ان انتخابات کے کچھ عرصہ پہلے اکتوبر 1945ء میں پیر صاحب مانگی شریف نے مانگی شریف میں ایک اجتماع میں ”جمعیت الاصفیاء“ کے قیام کا اعلان کیا اور آئندہ انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ پاکستان میں شریعت اسلامیہ کو بالادستی حاصل ہوگی۔ جمعیت الاصفیاء کے اس تاسیسی اجلاس میں ہندوستان بھر کے 500 سے زائد علماء و مشائخ نے شرکت کی۔

اس انتخابی مہم میں کئی علماء و مشائخ نے اپنے فتاویٰ اور ایملوں کے ذریعے اپنے مریدین کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً تہذیب و زور پیل کی کہ وہ مسلم لیگ کو اپنے اپنے حلقوں میں کامیاب کرائیں کیونکہ مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کی بنیاد ایک اسلامی رفاہی مملکت کا قیام ہے۔ اس سلسلے میں پیر جماعت علی شاہ، پیر فضل شاہ، میاں علی محمد خان بی شریف، سید سدید الدین تونسہ شریف، دیوان سید آل رسول علی چشتی، امیر شریف، پیر غلام محی الدین گوڑہ شریف، خواجہ قمر الدین سیالوی سیال شریف، مولانا شاہ محمد عبد العظیم صدیقی، خواجہ نواب الدین چشتی رمداسی، مولانا امجد علی اعظمی، پیر محمد حسن جان سرہندی اور پیر عبد الرحمن بھر چوڑی شریف رحمۃ اللہ علیہم، جمین کے نام نمایاں ہیں۔

علاوہ ازیں AISC (آل انڈیا سنی کانفرنس) کی طرف سے 55 علماء و مشائخ کا ایک مشترکہ بیان جاری ہوا جس میں مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا گیا۔ ان ایملوں اور فتاویٰ کے علاوہ علماء و مشائخ نے ہندوستان کے اکثر علاقوں کا دورہ کر کے مسلم لیگ کے انتخابی مہم عملی طور پر بھی چلائی۔ چنانچہ اس سلسلے میں مولانا فصیم الدین مراد آبادی نے بنگال، پنجاب، بہار، مدراس، دہلی، یوپی، جونا گڑھ، راجپوتانہ اور کاشمیر دار کا تفصیلی دورہ کیا۔ سید محمدت کچھوچھوی اشرافی نے بنارس کا دورہ کیا۔ پیر فضل شاہ نے پٹنہ، ہار اور وادی سون کا، خواجہ قمر الدین سیالوی نے ضلع سرگودھا اور جھنگ کا، پیر غلام محی الدین گوڑہ دی نے راولپنڈی اور گوجرانوالہ کا، پیر محمد حسن شاہ علی پوری نے صوبہ سرحد کا جبکہ پیر مانگی شریف اور پیر ذکوی شریف نے صوبہ سرحد

کو اپنی توجہ اور انتخابی مہم کا مرکز بنایا۔

پیر صاحب مانگی شریف نے اسی دوران ایک جلسہ میں کہا کہ اگر انگریز نے ہمارا مطالبہ پاکستان قبول نہ کیا تو وہ تمام مسلمانوں پر جہاد فرض قرار دے دیں گے تاکہ وہ یزور بازو پاکستان حاصل کر لیں۔ پیر صاحب کی انہی خدمات جلیلہ کا نتیجہ تھا کہ قائد اعظم نے 24 نومبر 1945ء کو مانگی شریف میں حاضری دی اور پیر صاحب کی نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان کے سلسلے میں ان کی طرف سے جاری جدوجہد کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے تحریری وعدہ کیا کہ پاکستان کے آئندہ بننے والے آئین کی بنیاد ”قرآن و سنت“ ہی ہوگی۔ ان انتخابات میں کئی علماء و مشائخ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے منتخب ہوئے، ان میں پیر سید مہر جلال پور شریف، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد برہان الحق جیل پوری، پیر صاحب زکوڑی شریف اور مولانا عبدالستار خان نیازی نمایاں ہیں۔

تحریک پاکستان میں سنی علماء و مشائخ کی خدمات کے حوالے سے اپریل 1946ء میں منعقد ہونے والی بنارس سنی کانفرنس کے نتائج و اثرات کا ذکر نہ کرنا تاریخی حقائق کو شعوری طور پر مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ اس کانفرنس میں علماء و مشائخ اور عوام اہل سنت ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے اور AISC (آل انڈیا سنی کانفرنس) کے نئے صدر سید محمد محدث کچھوچھوی کی قیادت میں مطالبہ پاکستان کے حق میں ایک تاریخی قرارداد منظور کی جسے ”قرارداد لاہور ثانی“ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس قرارداد کے ذریعے اعلان کیا گیا کہ AISC کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُر زور حمایت کرتا ہے۔ اس میں اس عزم کا بھی اظہار کیا گیا کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر ممکن قربانی دیں اور پاکستان کے لیے ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔

AISC کی قیادت کی پاکستان میں کتنی گہری اور جذباتی وابستگی تھی اس کا اندازہ اس تحریر سے باسانی لگایا جاسکتا ہے جو AISC کے ناظم اعلیٰ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے AISC پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری کو ایک خط کے ذریعے ارسال کی۔ انہوں نے لکھا کہ سنی کانفرنس ہرگز مطالبہ پاکستان سے دست بردار نہ ہوگی۔ اگر بالفرض مسٹر جناح مطالبہ پاکستان سے دست بردار بھی ہو جائیں تو بھی سنی کانفرنس اس میں ان کی حمایت نہ کرے گی اور اپنا مطالبہ پاکستان ضرور حاصل کرے گی۔

بنارس کانفرنس کے بعد ایک نئے اور فیصلہ کن جذبہ کے تحت علماء و مشائخ نے قیام پاکستان کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ جس کو مزید بہتر اور منظم کرنے کے لیے پنجاب مسلم لیگ نے نومبر 1946ء میں ایک مشائخ کمیٹی بنائی۔ اس کے سیکرٹری مولانا

ابراہیم علی چشتی تھے اور اس میں سید محمد محدث، کچھو چھوی، پیر جماعت علی شاہ، پیر صاحب مانگی شریف، خواجہ قمر الدین سیالوی، پیر فضل اور پیر غلام محی الدین گولڑوی نمایاں تھے۔

قیام پاکستان کی جدوجہد میں جولائی 1946ء میں سرحد میں ہونے والا ریفرنڈم آخری معرکہ حق و باطل ثابت ہوا۔ اس معرکہ میں بھی علماء و مشائخ نے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ ان میں نمایاں نام پیر صاحب مانگی شریف کا ہے کہ جن کے بغیر اس ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں 99 ووٹ حاصل کرنا مسلم لیگ کے لیے ناممکن تھا۔ پیر صاحب مانگی شریف کے علاوہ پیر صاحب زکوزی شریف، حافظ خواجہ سید عبدالدین تونسہ شریف، پیر جماعت علی شاہ، مولانا عبدالجبار بدایونی، خواجہ قمر الدین سیالوی، پیر محمد حسن سلطان باہو، پیر سید غلام محی الدین گولڑوی، مولانا بھان، الحق جبل پوری اور مولانا عبدالستار خان نیازی نے بھی سرحد کا دورہ کر کے مسلمانوں کو پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے کے لیے قائل کیا۔

آج پاکستان میں اکابرین تحریک پاکستان کے حقیقی اور روحانی فرزند کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اب ان کا فرض ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے دوران کیے گئے وعدوں کو عملی شکل دینے کے لیے میدان عمل میں آئیں۔ جیسے آپ ان اکابرین کے دینی و روحانی ورثہ کے وارث ہیں اسی طرح آپ پر یہ اخلاقی فرض ہے کہ آپ اپنے آباؤ اجداد کے وعدہ کو پورا کریں اور حکومت وقت سے کروائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان بنانے والے سنی تھے اور اس کو بچانے والے بھی صرف سنی ہی ہوں گے۔

آپ حضرات سے ایک اپیل کروں گا کہ آپ کے پاس تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے حوالے سے جو بھی مواد موجود ہو براہ مہربانی اس کو مرتب کروا کر شائع کرائیں تاکہ یہ ریکارڈ محفوظ ہو سکے۔ ساتھ ساتھ آپ حکومت سے مطالبہ کریں کہ ان اکابرین تحریک پاکستان کی خدمات کو ہر سطح کے تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ ان کے بارے میں میڈیا سے خصوصی پروگرام پیش کیے جائیں، ان کے نام پر یادگاری ٹکٹ جاری کیے جائیں، ملک کی اہم عمارتوں، تعلیمی اداروں اور شاہراؤں کے نام ان شخصیات کے نام پر رکھیں جائیں تاکہ ان اکابرین کی پُر خلوص اور بے لوث خدمات کا کچھ نہ کچھ صلہ دیا جاسکے۔



☆ بہو داماد اور سوتیلی ماں یا سوتیلے باپ یا زوجہ کی اولاد جو دوسرے شوہر سے ہو یا شوہر کی اولاد جو دوسری بیوی سے ہو اور دوسرے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ ﴿ردالمحتار﴾



جب دیار ہند میں دو قومی نظریہ کا نعرہ بلند ہوا تو انگریزوں اور ہندوؤں کے اس خطرناک منصوبہ کے مہلک نتائج کو پہلے ہی مرحلے میں بھانپ کر جس عالم ربانی نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف آواز اٹھائی وہ امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: ”ان کی ابھی ایک آنکھ کھلی ہے مگر دوسری ابھی تک بند ہے۔“ یعنی انگریزوں سے مخالفت والی آنکھ کھلی ہے لیکن ہندوؤں سے دلی محبت رکھنا یوں سمجھو کہ دوسری آنکھ بھی بند ہے۔

● وہابیوں اور دیوبندیوں نے اپنے پسند کے جلسہ میں ایک دفعہ انگریز کی تعریف میں یہ الفاظ کہہ دیئے کہ ”گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے۔“ امام شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کو معلوم ہوا تو آپ نے عظیم آباد میں ان کا رد فرماتے ہوئے کہا ”مذہب تمام بے دینیوں مگر انہوں کے اتحاد کو فرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ..... اس لیے کلمات خرافات اور موجب غضب ذوالجلال ہیں۔“

(حیات اعلیٰ حضرت، ج: 1، ص: 127)

● سنی کانفرنس پٹنہ 1897ء میں فرمایا: ”تم نے دیکھا یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے جذبات کی۔ کیسے کیسے شریعت کو بدلتے، مسئلے پاؤں کے نیچے پکھلتے اور غیر خواہ اسلام بن کر مسلمانوں کو چھلتے ہیں۔ موالات مشرکین ایک معاہدہ مشرکین دو استعانت بالمشرکین تین مسجد میں اعلاء مشرکین چار ان سب میں بلامبالغہ یقیناً لیڈروں نے خنزیر کو دنبے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے۔“ (الحجۃ المومنین، ص: 86)

چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ کے اس بیان نے مسلمانان ہند کی بروقت رہنمائی کی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ملک بھر میں دو قومی نظریہ کی سماعت اور ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت ایک ملک گیر تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے 1897ء میں دو قومی نظریہ کا جو تصور پیش کیا اور ہندو مسلم اتحاد کے بطلان پر جو بیان دیا تو اس کی روشنی میں چودھری رحمت علی، علامہ اقبال اور مسٹر محمد علی جناح نے مسلمانوں کے لیے ایک الگ ریاست (پاکستان) کا مطالبہ کیا اور حصول پاکستان کے لیے علماء و مشائخ اہل سنت اور مسلمانوں نے جان کی بازی لگا دی۔

جب مسلمان مسلم لیگ کے ماتحت متحد ہو کر حصول پاکستان کی جدوجہد میں مصروف ہوئے تو ہندوؤں کے آلہ کار کانگریسی علماء نے ہندوؤں کا ساتھ دیا اور پاکستان کے حصول کی راہ میں سازشوں کے جال بچھا دیئے تو اس نازک موڑ پر مسز محمد علی جناح نے علماء اہلسنت و جماعت سے تعاون کی مزید اپیل کی چنانچہ مولانا قاضی احسان الحق ”مفتی بہراج“ کی قیادت میں اہلسنت علماء کا ایک وفد کلکتہ میں مسز محمد علی جناح سے ملاقی ہوا۔

مسز محمد علی جناح نے صاف اور واضح لفظوں میں علماء اہلسنت کو یقین دلایا کہ پاکستان کے قیام کا مقصد وحیدہ خطہ پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ اور کتاب و سنت کی حکمرانی ہے۔ اس وضاحت کے بعد سنی علماء و مشائخ نے تحریک پاکستان کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے عملی اقدامات کئے۔ (دعوت حق، ص: 11)

نیشنلسٹ علماء اور یو سیٹ لیڈروں کی پاکستان دشمنی کے محاذ کو پاش پاش کرنے اور متحدہ ہندوستان کے جمہور اہلسنت و جماعت کو جدوجہد آزادی کے لیے منظم کرنے کے لیے اکابر اہلسنت اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ امجد مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی، محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی اور جید المفسرین صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے 1946ء میں بنارس میں تمام ملک کے زعمائے ملت کی آل انڈیائی کانفرنس منعقد کر کے مطالبہ پاکستان کی تحریک کو کامرانی کے آخری مراحل میں داخل کر دیا۔ کانفرنس میں سات ہزار مستند علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت فرمائی اور اعلان کیا کہ آل انڈیائی کانفرنس کا اجلاس مطالبہ پاکستان کی پند زور حمایت کرتا ہے۔

یہ اجلاس امیر شریعت حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں منعقد ہوا اور ملک بھر کے تمام اہلسنت کو پاکستان کی حمایت میں ووٹ دینے کے لیے تبلیغی دورے کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اکابر اہلسنت کی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ ① مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی ② حضرت مولانا ابوالجہاد سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی ③ صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی ④ شیخ الاسلام حضرت مولانا خلیفہ قر الدین سیالوی ⑤ صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی (معتمد بہار شریعت) ⑥ مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعظیم صدیقی میرٹھی ⑦ حضرت خلیفہ سید شاہ دیوان آل رسول علی خان سجادہ نشین امیر شریف ⑧ مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد قادری، امیر دارالعلوم حزب الاحناف لاہور ⑨ مجاہد تحریک پاکستان مولانا عبدالحمید بدایونی ⑩ حضرت سید عبدالرحمن شاہ صاحب بھرچوٹ شریف (سندھ) ⑪ حضرت مولانا سید زین الحسنات خیر آف ماسکی شریف ⑫ صدر تحریک ختم نبوت حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری لاہور ⑬ خان بہادر حاجی مصطفیٰ علی صاحب

مدرس۔ (خطبہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس)

حصول آزادی اور ارض پاکستان:

ان اکابر اہلسنت نے تمام سنیوں میں حمایت پاکستان کی ایک ایسی روح پھونک دی کہ ایک انقلاب رونما ہوا حتیٰ کہ 1947ء میں ہندو اور انگریز سامراج نے تقسیم ملک کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور مسلمانوں کو اسلامی حکومت بنانے کے لیے ملک کا ایک حصہ پاکستان کے نام سے مل گیا۔ مسلم لیگ کی مخالفت کا شعبہ کانگریس نے ابوالکلام آزاد کے سپرد کر رکھا تھا۔ انہوں نے مجلس احرارِ رحمت العلماء ہند، نیشنلسٹ کانفرنس، خدائی خدمتگار، نیزہ ہراس جماعت سے جو مسلم لیگ کی مخالفت میں پیش پیش تھی اپیل کی کہ تمام منظم ہو کر مسلم لیگ کا مقابلہ کریں۔ ابوالکلام آزاد صاحب کے شاگرد رشید اور دیرینہ رفیق کاؤ مدیر روزنامہ ہند گلستہ کے 6 دسمبر 1945ء کا مقالہ اشتہاروں اور ٹریکٹوں کی صورت میں شائع ہوا جس میں قائد اعظم کو بڑے سے تشبیہ دی۔ (تمیز پاکستان اور علمائے ربانی، ص: 45)

حسین احمد صاحب مدنی نے مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیا اور قائد اعظم کو ”کافر اعظم“ کا لقب دیا۔ (مجموعہ خطبہ اشیر مٹانی، ص: 48)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان کی مخالفت جتنی علمائے دیوبند نے کی نہرو، پٹیل، تارا سنگھ اور کھڑک سنگھ بھی نہ کر سکے۔

دیوبندیوں کی پاکستان دشمنی

قرارداد پاکستان کے پاس ہونے کے ساتھ سیاسیات ہند میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا سیاسی کردار کیا تھا؟ کیا ان دونوں حضرات نے ہندوؤں کے روپے اور ان کے پریس کی مدد سے مسلمانوں کو مسلم لیگ سے علیحدہ رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش روا نہیں رکھی؟ کیا مسلم حوام نے قدم قدم پر علمائے دیوبند اور کانگریسی مسلمانوں پر عدم اعتماد کا اظہار نہیں کیا؟ (اقدام، ج: 13، ص: 9)

یہ بات تاریخ کی پیشانی پر بڑے موٹے حروف میں لکھی گئی ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس کے قبیلہ سے تعلق رکھنے والے لوگ پاکستان کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ جن لوگوں نے مسلمان ریاست کے قیام کو روکنے کے لیے ہندو اور انگریزوں کا ساتھ دیا انہیں اخلاق اور قانون کے کسی ضابطہ کی رو سے معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ہم قیام پاکستان سے پہلے کے واقعات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کے لوگوں نے ہندی مسلمان کو تباہ کرنے کی سازش میں ہندو اور انگریز سے بھی بڑھ کر حصہ لیا۔ بلاشبہ یہ لوگ پاکستان کے خدائے ہیں۔ جب ملک تقسیم ہو رہا تھا تو کوئی شخص ان کی صورت تک دیکھنے

کو تیار نہ تھا۔ آزادی اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں اس نظر و فکر کے حامل لوگوں نے ہر ممکن طریق سے دس کروڑ ہندی مسلمانوں کی تمناؤں کو ناکام بنانے کی کوشش کی اور ہندو کے رویہ نے ان لوگوں کو اپنے ہی بھائیوں کے خلاف صف آرا ہونے کی ترغیب دی۔

جہاں تک قیام پاکستان کا تعلق ہے، تردید کے خوف کے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ اس ذہن کے لوگوں کا اس معرکہ میں کوئی حصہ نہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے آزادی سے پہلے کے دور کی تلخ یادیں عوامی ذہن سے محو ہوتی جا رہی ہیں۔ ہندو کانگریس کے لیے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے کمین گاہوں سے نکل رہے ہیں اور انتہائی ڈھٹائی و بے حیائی سے خود کو آزادی اور اسلام کے پروانوں کی شکل میں پیش کرنے لگے ہیں۔ اگر پاکستان بنانے والا ذہن آج زندہ ہوتا تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے قیام کو روکنے والوں کو عوام ایک لمحہ کے لیے قبول نہ کرتے لیکن یہ ہماری بد بختی کی علامت ہے کہ حصول آزادی کے وقت جو لوگ ہمارے خدا اور دشمنوں کے ایجنٹ تھے وہ بھارت میں فرقہ واریت کی آگ سے بچنے کے لیے پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے اور آج ایک بار پھر عوامی ہیر و دینے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یقیناً یہ قوم کی بے حسی کی انتہا ہے کہ جو لوگ قیام پاکستان کے بعد خاموش ہو گئے تھے وہ میدان خالی پا کر ایک بار پھر مصروف عمل ہیں اور پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش میں ہیں۔

ہمارے اس سوال کا جواب آخر کیا ہے کہ اگر عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی حبیب الرحمن، مولوی حسین احمد مدنی اور ابو الکلام آزاد ہمارے ہیرو ہیں تو پھر ہماری قوم کی زندگی میں ان لوگوں کا کیا مقام ہے جنہوں نے قیام پاکستان کی جنگ میں جانیں دیں؟ ہم یہ سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ جو لوگ آج عطاء اللہ شاہ بخاری، حسین احمد مدنی اور ابو الکلام آزاد کو ہیرو کے طور پر پیش کر رہے ہیں وہ اصل میں پاکستان بنانے والوں کی قربانیوں پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں۔

اگر عطاء اللہ شاہ بخاری اور ہندو اشاروں پر ناچنے والے ان کے بعض (دیوبندی) ساتھیوں نے پاکستان میں پناہ لی تو اس کے معنی یہ نہیں کہ یہ لوگ ہماری جدوجہد آزادی کے ہیرو بن گئے۔ جس طرح ہم سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کو اپنی جدوجہد آزادی کا ہیرو قرار نہیں دے سکتے۔ ہم یہ کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں کہ عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخری دم تک قیام پاکستان کی مخالفت کی۔

پاکستان میں اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہوئے ہندو کانگریس کے ایجنٹ ہزار اسلام کا سہارا لیں لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے حصول آزادی سے پہلے قیام پاکستان کی حمایت میں ایک لفظ کہا۔ ہم پوری دیانتداری کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ بعض خود غرض اور شکست خوردہ لوگ، پاکستانی عوام کو گمراہ کرنے کی ناپاک سازش میں مصروف ہیں۔ قائدین حکومت اور

عوام کے ہاشعور طبقہ کو آگے آنا چاہیے اور غیر مبہم الفاظ میں بتا دینا چاہیے کہ پاکستان میں عداوتوں اور دشمنیوں کو کسی قیمت پر ہیر نہیں بنے دیا جائے گا اور یقیناً یہ ہماری قومی غیرت کا سوال ہے۔ (اقتباسات: ادارہ ہلال پاکستان، 23 اگست 1963ء)

اس سے کئی گناہ زائد حوالہ جات اور تحقیقات کے اوراق پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر ان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ انصاف پسند لوگ نہایت ٹھنڈے دل سے غور فرما کر صحیح نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ایک غلطی کا ازالہ:

● بعض مواقع پر اہلسنت کے بعض مفتیوں نے مسلم لیگ کے بعض کارکنوں پر کوئی فتویٰ لگایا تو وہ ایک مذہبی کمی کی وجہ سے تھا نہ کہ قیام پاکستان کی مخالفت کی بناء پر۔ چنانچہ ان وجوہ میں سے ایک وجہ ذیل کے اشعار بھی تھے کہ جب بعض مسلم لیگیوں نے ”جناب صاحب“ کے متعلق یہاں تک غلو کیا کہ

اے محمد (ﷺ) اور علی کی چلتی پھرتی یادگار تیرے رخ سے پڑ تو شبیر شیر (رضی اللہ عنہما) آشکار
تیرے پیکر خالد و طارق (رضی اللہ عنہما) کا زندہ شاہکار تو سیاست کا نبی قانون کا پروردگار
جادۂ آزادی اسلام کا خضر اعظم تیرے ہاتھوں میں ہے قدیل صراط مستقیم
(نظم: امیر آبادی، مسلم لیگی اخبار ”انقلاب“ بمبئی، 11 ستمبر 1945ء)

● اور حیرت صاحب نے یہ لکھ مارا کہ

بجھایا ہے مسلمانان ہندی کو بھلا کس نے بنایا ہے مسلمان کو سیاست کا خدا کس نے
(مسلم لیگی اخبار ”ہندوستان“، 4 جنوری 1946ء)
محمد علی جناح صاحب کو خدا، نبی، خضر عظیم کہنے پر بعض لوگوں کو متنبہ کرنے اور دلائل سے منوانے کا نام ”پاکستان دشمنی“ ہے تو پھر دین کا خدا حافظ ہے۔

☆ علم دین حاصل کرنے والے طالب علموں اور گوشہ نشین غریب علماء کو زکوٰۃ کا مال دینا افضل ہے کہ اس میں فرض زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور علم دین کی اعانت کا ثواب بھی ملے گا۔

﴿در مختار﴾

﴿در مختار﴾

حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

جاں نثاران بدر و احد پر درود

﴿در مختار﴾



قائد اعظم محمد علی جناح کی انتھک جدوجہد اور دوسرے بہت سے علماء دانشوروں سیاست دانوں اور کارکنوں کی قربانیوں نے یہ دن دکھایا کہ بھلا اللہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آگیا۔ پاکستان کے ہر صوبے کی حالت میں انقلاب آیا اور پہلے جیسے حالات نہ رہے۔ ہر صوبے نے ترقی کی طرف قدم بڑھایا۔ تعلیم کے میدان میں تجارت کے میدان میں صنعت و حرفت کے میدان میں حزب و حزب کے میدان میں کیونکہ اب مد مقابل وہ طاقت نہ رہی تھی جس نے مسلمانوں کو محفل کر کے رکھ دیا تھا۔ ہمیں شغفے دل سے ماضی و حال کا تقابل کرنا چاہیے۔ ماضی کے حالات خود معلوم نہ ہوں تو اپنے بزرگوں سے پوچھنے چاہیے اور بزرگوں کو بغیر کسی تعصب و رنگ دلی کے خدا لگتی کہنی چاہیے۔ حقائق کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ۱۹۴۷ء سے قبل ایک صدی میں وہ ترقی نہ ہوئی جو ۳۵ سال میں ہو چکی ہے۔ پاکستان نہ بننا تو ہم اسی طرح پتے رہتے جس طرح ایک صدی تک پتے رہے۔ کیا وجہ ہے کہ ایک صدی تک یہ حال رہا کہ پاکستان کی سرزمین پر مسلمانوں میں گتے چنے لوگ تاجر پروفیسر انجینئر ڈاکٹر اور زمیندار تھے۔ حد تو یہ ہے کہ طالب علم بھی آبادی کے لحاظ سے برائے نام تھے۔ اب ہزاروں کی تعداد میں تاجر بھی ہیں پروفیسر بھی ہیں انجینئر بھی ہیں زمیندار بھی ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں طالب علم بھی ہیں۔ حالات بدل گئے ایک انقلاب آیا جو سب کے سامنے ہے۔ اس کی قدر اس وقت ہوگی جب آپ اپنے ماضی کو جھانک کر دیکھیں گے۔ پاکستان اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ اس کی قدر کریں اس کو اپنے خون سے سنبھالیں اور جہاں تک بھی ہو اس کو باغ و بہار بنائیں۔

ہر لمحہ نیا طور ، نئی برق چلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

مکر دشمن کی کوشش یہ ہے کہ پاکستان کمزور ہوتا کہ دنیا دشمن کی قوت کا لوہا مانے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پاکستان کی قوت و کمزوری کا ہندوستان پر اثر ہوتا ہے۔ جب پاکستان قوی ہوتا تو ہندوستان کا لب و لہجہ مصالحانہ بلکہ خوشامدانہ ہو جاتا

تا ہے اور جب کمزور ہوتا ہے تو اس کا انداز غیر معالمانہ اور جارحانہ ہو جاتا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں جو حالات گزرے ہم میں سے بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ اس وقت ہندوستان کی یہ کیفیت تھی کہ گویا اُن کا ہر فرمان ہمارے لیے واجب الادا ہے۔ زمین ہماری اور حکم ان کا چلنے لگا۔ بالآخر وہ روزیہ بھی آیا کہ سرزمین پاک پر اُن کی فوجیں و مدد تانے لگیں اور پھر زمین کا وہ قطعہ ہی ہاتھ سے جاتا رہا۔ ہمیں ہمیشہ ایسے حریف سے ہوشیار رہنا چاہیئے جو موقع کی تاک میں بیٹھا ہو اور موقع پر کام کر گزرنے کا عادی ہو۔

ہندوستان کی جفا شعار یوں اور پاکستانیوں کی وفا شعار یوں کی داستان طویل ہے۔ بات یہاں سے شروع ہوتی ہے جب پاکستان وجود میں آیا تو اس کو اپنے پیر پر کھڑے ہونے نہ دیا اور کشت و خون کا بازار گرم کر کے مہاجرین کا ایک سیلاب بھیج دیا گیا۔ ضلع گورداسپور پنجاب، پاکستان کو مل چکا تھا اور اس سے ریاست جموں و کشمیر پر پاکستان کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔ اندرون خانہ چالیں چل کر تقسیم کے منظور شدہ منصوبے میں بروقت ترمیم کرا کے ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو گورنر جنرل ہند "لارڈ ماؤنٹ بیٹن" سے اعلان کر دیا گیا کہ ضلع گورداسپور پاکستان سے چھین کر ہندوستان کو دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں دو روز سے پاکستانی پرچم لہرا رہا تھا۔ اس طرح دغا کر کے ہندوستان نے ریاست جموں و کشمیر پر اپنی گرفت مضبوط کی اور مسلمانوں کو ناقابل حلانی نقصانات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ طے یہ ہوا تھا کہ آزادی ملنے کے بعد پاکستان اور ہندوستان کی جو ریاست جس حکومت میں شامل ہو وہ مختار ہے خواہ پاکستان میں شامل ہو یا ہندوستان میں یا خود مختار آزاد ہے۔ لیکن کیا ہوا؟

دوسرے ہی سال مسلمانوں کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد وکن جو دنیا کے مسلمانوں کا سہارا تھی ایک فوجی حملے کے ذریعے قبضہ میں کر لی گئی اور ہزاروں مسلمان مجاہدین کو ٹینکوں سے بے دردی سے روند دیا گیا اور مسلمانوں کی عظمت کا نشان مٹا دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب ۱۹۴۸ء میں پاکستانی قوم کو قائد اعظم کی موت نے دم بخود کر دیا تھا اور وہ غم سے غم حال کفن و دفن کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اسی طرح دوسری مسلمان ریاستوں پر بھی یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا گیا لیکن پاکستان نے ہر موقع پر ہندوستان کے ساتھ نیکی کی۔ سب سے نازک موقع وہ تھا جب چین نے ہندوستان پر بھرپور حملہ کیا۔ کشمیر پر قبضہ کرنے کا وہ بہترین موقع تھا لیکن ہندوستانی سفیر نے صدر محمد ایوب خاں سے مل کر یہ یقین دہانی چاہی کہ پاکستان ہندوستان پر حملہ تو نہیں کرے گا تو صدر نے ٹیک دلی کے ساتھ یہ یقین دلایا کہ پاکستان کی سرحدوں سے ہندوستان پر کسی قسم کا حملہ نہیں ہوگا۔

صدر محمد ایوب خاں وہی صدر ہیں جنہوں نے مشرقی پاکستان میں ہندوستانی افواج کی خفیہ پیش قدمی کے وقت ان

کے جنرل کو گرفتار کیا تھا۔ بعد میں اس جنرل کو چھوڑ دیا گیا اور پھر یہی جنرل ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پنجاب کے محاذ پر پاکستان کے خلاف ہندوستانی فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔ تاریخ نے ایسے عجیب کم ہی دیکھے ہوں گے۔ یہ سارے حقائق ہم کو اپنے سامنے رکھنے چاہیے اور کسی کے کہنے پر چل کر خود کو اور اپنے پیارے وطن کو برباد نہیں کرتا چاہیے۔

قیام پاکستان کے بعد کوتاہیاں:

پاکستان بننے کے بعد کچھ کوتاہیاں ہم سے ضرور ہوئیں جن کا تدارک ضروری ہے۔ بہت سی باتیں ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر کرتا ہوں۔

● تحریک پاکستان کے زمانے میں جب کانگریس قائدین یہ کہا کرتے تھے کہ قومیت کی بنیاد مذہب نہیں وطن ہے تو ہم کہا کرتے تھے کہ نہیں مسلم قوم کی تشکیل دین و مذہب سے ہوتی ہے، جغرافیائی حدود سے نہیں۔ اس لیے ہم "ہندوستانی" نہیں "مسلم" ہیں صرف "مسلم"۔

۔ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

مگر جب پاکستان بن گیا تو نہ معلوم کیوں قومیت کے خانے میں "پاکستانی" لکھا جانے لگا حالانکہ "وطنیت" کے خانے میں "پاکستانی" لکھا جاتا اور "قومیت" کے خانے میں "مسلم" لکھا جاتا۔ بہر حال جب لائحہ ودیت کا دعویٰ کرنے والا متحد ہو گیا تو مختلف مسائل پیدا ہونے لگے۔ بات ملک سے نکل کر صوبوں تک جا پہنچی اور صوبوں سے واپسٹی پر اصرار کیا جانے لگا اور اس پر اعتراض ہونے لگا کہ ہندوستان سے ترک وطن کر کے آنے والوں کو "مہاجر" نہ کہو اور یہاں کے خوش آمدید کہنے والوں کو "انصار" نہ کہو۔

حالانکہ یہ وہ پیارے الفاظ ہیں جس کو پہلی صدی ہجری میں امام الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرما کر جاوداں بنا دیا اور مہاجر و انصار کو آپس میں اس طرح ملا دیا کہ دو گئے بھائی بھی کیا ملتے ہوں گے۔ حقیقت میں "مہاجر" اور "انصار" دو تاریخی اصطلاحیں ہیں۔ جب کسی کو "مہاجر" کہا جائے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنا حق جتانے لگے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا تعلق ان خوش بختوں سے ہے جنہوں نے پاکستان کے لیے جان و مال کی قربانیاں دیں اور جب "انصار" کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق ان سعادت مندوں سے ہے جنہوں نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا۔ مصیبت میں ان کا ساتھ دیا اور ہر طرح سے ان کی خدمت کی۔ ایثار و قربانی اور احسان و اخلاص ایسی چیزیں نہیں جن کو بھلا دیا جائے یہ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ تو عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ ہم نے مسلم قومیت کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنی قومیت کو جغرافیائی حدود سے منسلک کر لیا۔ حالانکہ پردہ غیب سے تو یہ آواز آ رہی تھی۔

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی

تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا

● اسلامی نظریاتی حکومت میں دوسری اہم چیز یہ تھی کہ ہم عدل، علم اور علاج کو بلا قیمت فراہم کرتے۔ عدل سے فرد کی روحانی صحت برقرار رہتی ہے، علم سے دماغی صحت اور علاج سے جسمانی صحت۔ جب تک افراد ان تینوں اعتبار سے تومند اور صحت مند نہ ہوں ایک مستحکم اور فعال معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام توانائیاں اور ذرائع دیانتداری اور درمندی کے ساتھ بقائے صحت کے لیے استعمال کیے جائیں، باتیں کم کی جائیں اور کام زیادہ۔

میں یہاں صرف علم کی بات کروں گا۔ قومی مزاج کی تعمیر میں "نصاب" بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ نظریاتی حکومت میں اس سے زیادہ اہم اور نازک چیز کوئی نہیں لیکن برسوں اس سے غفلت برقی گئی اور ایسا نصاب فراہم نہیں کیا گیا جو مسلمانوں کو مسلمان نہ بنائے تو کم از کم پاکستانی ہی بنا دے۔ لیکن اب کچھ کوششیں کی جا رہی ہیں مگر انقلابی کوششوں کی ضرورت ہے جس سے پورے نصاب کا مزاج بدل جائے اور وہ فکر و فکر کی صحیح سمت میں افراد کی پرورش کر سکے۔ نصاب کے ساتھ ساتھ استاد کی بھی یاد آتی ہے۔ اسلامی حکومت میں استاد کا باوقار ہونا لازمی ہے۔ آج کل انسان عزت کے لیے جیتا ہے یا دولت کے لیے یہ چیزیں میسر نہ آئیں تو وہ مایوسی کا شکار ہو کر خود برباد ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی برباد کرتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں استاد کی اتنی عزت نہیں جتنی عزت ہونی چاہیے۔ نظریاتی ملکوں میں استاد معاشرے کا اہم ترین اور محترم ترین فرد ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں صورت حال مختلف ہے۔ استاد اپنی عزت کے لیے گریڈوں کا سہارا لیتا ہے اور پھر جہاں جاتا ہے اس کو وہ عزت نہیں ملتی جو ملنی چاہیے۔ جس طرح والدین جسم کے مربی ہیں اسی طرح استاد دل و دماغ کا مربی ہے۔ یہ والدین سے زیادہ قدر و منزلت کے لائق ہے۔ ہر پڑھا لکھا کسی نہ کسی استاد کا شاگرد ہوتا ہے تو یہ بات دل میں ہونی چاہیے کہ یہ استاد ہی ہے جس کی تعلیم نے اس مرتبے پر پہنچایا۔ جس طرح والدین کی تربیت نے اس کو پروان چڑھایا، پھر کوئی ایسا شریف انسان نہ دیکھا جو والدین کی عزت و تکریم سے کترا تا ہو تو پھر ہم کیوں ایسے خود فراموش ہو جائیں کہ استادوں سے ان باتوں کی توقع رکھیں جو اپنے ماتحتوں اور ملازمینوں سے رکھتے ہیں۔ ان کو عزت دینا ہمارا دینی و ملی فریضہ ہے۔ یہ خود ہمارے لیے باعث سعادت ہے اور معاشرے کے لیے ایک نیک فال۔ استاد کسی معمولی ہستی کا نام نہیں۔ یہ وہ ہے حضور ﷺ کے صحابیوں نے جس کو سوار یوں پر بٹھایا اور خود پیادل چلے۔ یہ وہ ہے خلیفہ ہارون الرشید نے جن کے ہاتھ دھلائے۔ یہ وہ ہے خلیفہ مامون الرشید اور امین الرشید نے جن کی جوتیاں اٹھائیں۔ یہ وہ ہے اکبر بادشاہ نے جن کی جوتیاں سید می کیں۔ ہاں معاشرے کی بڑی محترم ہستی کا نام استاد ہے۔ وہ عظمتوں کا معمار اور رفعتوں کا شاہکار ہے۔

ہمارے معاشرے میں استاد کو جو عزت ملتی ہے اس کا حال تو آپ نے پڑھا۔ اس کی دولت کا حال یہ ہے کہ جو کچھ اس کو ماہانہ ملتا ہے اگر کاغذ کے روپیوں کی بجائے سونے کی اشرفیوں میں ملتا تو کچیس سال گزر جانے اور ترقیوں کے مختلف مراحل طے کرنے کے باوجود ہوش و باگرانی کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اسی جگہ یا اس سے پیچھے پاتا جہاں ۲۵ سال پہلے تھا۔ حالانکہ اس طویل عرصے میں اس کی ذمہ داریاں دس گنا ہو چکی ہیں۔ آمدنی کا دوسرا ذریعہ پورڈا اور یونیورسٹی کے امتحانات ہیں۔ اس کا حال یہ ہے کہ امتحان لینے اور کاپیاں جانچنے کا معاوضہ اتنا کم رکھا گیا ہے کہ طلبہ کی نوکری ڈھونڈنے والا مزدور ۶ گھنٹے محنت کر کے جتنا کمالیتا ہے یہ اس سے آدھا بھی نہیں پاتا۔ پھر لطف یہ کہ یہ رقم بھی فوراً انہیں ملتی بعض اوقات مہینوں لگ جاتے ہیں۔ خیر ذکر تھا اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا اور پاکستان کے وجود میں آنے کا۔ بہر کیف ہم کو اپنی کوتاہیوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کے دشمن کے عزائم پر نظر رکھنی چاہیے اور اپنی سادہ لوحی سے کسی کی چال میں نہیں آنا چاہیے۔

● ہماری مغفوں میں دشمن کے آدمی کام کر رہے ہیں جو طرح طرح سے ہمارے دل کو میلا کرتے ہیں۔ ہم کو ایک دوسرے سے نفرت سکھاتے ہیں اور اپنا کام بناتے ہیں۔ پس منظر میں رہتے ہیں، سامنے نہیں آتے۔ اس نفرت سے وہ اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور استعمال ہم کو کرتے ہیں۔ جب حالت بگڑ جاتی ہے تو کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کا حادثہ ہمارے سامنے ہے۔ تاریخ کے حادثات سے سبق ہمیں حاصل کرنا چاہیے اور وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو تاریخ کو فراموش نہیں کرتیں۔ ہم کو بھی اپنے ماضی سے آگاہ رہنا چاہیے تاکہ مستقبل کی تعمیر ممکن ہو۔ دشمن کئی محاذوں پر جنگ کرتا ہے اور دور درجد میں سب سے اہم محاذ "فکری محاذ" ہے یعنی دشمن اپنے دشمن یا فریق مخالف کی رعایا کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اس کی قوم اور ملک پر قبضہ جمانا یا دوسرے دشمنوں کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ غور کریں! ہم وہی ہیں جن کے اسلاف اسلام پر مرتے تھے، ہم وہی ہیں جن کے اکابر نے اپنی قوت ایمانی سے ایک ملک پاکستان بنایا، اس کو آباد کیا اور اپنے خون جگر سے اس کو سیٹھا۔ پھر اچانک کیا ہو گیا کہ ہم میں ایسے لوگ پیدا ہونے لگے جو اسلام کے شیدائی نہیں؟ جو اپنے اسلاف کے کارناموں پر پانی پھیرنے کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ باتیں انہوں نے اپنے بزرگوں سے نہیں سیکھیں بلکہ ملک و دین کے بدخواہوں نے ان کو یہ باتیں سکھائی ہیں۔ اب ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟

سب کو معلوم ہے کہ پاکستان نظریاتی ملک ہے۔ اس کا قیام اسلام سے بچی محبت اور اپنے ان اکابر کے کارناموں کو یاد رکھنے میں ہے جنہوں نے اس کو بنایا۔ یہی اس ملک کی بنیادیں ہیں۔ عمارت کو ڈھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا جائے تو سوچنے کی بات یہ ہے جو ہمارے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کرے وہ ہمارا دوست ہے یا دشمن؟

اس کا جواب ہر عقل والا دے سکتا ہے۔ دشمن اپنی مقصد برآوری کے لیے کئی حربے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سب سے اہم حربہ یہ ہے کہ پاکستان کے نظریہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں اور معمار پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔ کہنے والوں نے تو یہاں تک کہا کہ "پاکستان بنا کر ہم کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیا" نہ پاکستان بنانا یہ آپس کے لڑائی جھگڑے ہوتے۔ اس کا جواب تو یہی ہو سکتا ہے کہ ایک باپ نے اپنی اولاد کے لیے باغ لگایا پھر وہ اولاد باغ کے پھلوں کی تقسیم پر آپس میں لڑنے لگی۔ اب کہنے والا یہ تو نہیں کہتا کہ شکر کرو کہ یہ باغ تم کو ملا یہ پھل تم کو ملے اس باغ کی حفاظت کرو بلکہ یہ کہتا ہے کہ باپ نے نہ کام کیا اگر وہ یہ باغ چھوڑ کر نہ جاتا تو اولاد کیوں یوں لڑتی؟ میرے خیال میں کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا۔ اصل میں قوم میں مایوسی اور احساس محرومی پھیلا کر دشمن اپنے مفادات کی تکمیل چاہتا ہے۔ میرے نزدیک قائد اعظم کی عظمت اس میں ہے کہ انہوں نے ہندوستانیوں کے بڑے سیاسی لیڈر گاندھی کو شکست دی۔ متحدہ ہندوستان کے ان کے منصوبے کو خاک میں ملایا اور صفحہ عالم پر پاکستان کو نمودار کیا۔ اب مسٹر گاندھی کی عظمت کی معنی باتیں کی جائیں قائد اعظم خود بخود عظیم ہوتے جائیں گے۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ دشمن نظریہ پاکستان کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس طرح قائد اعظم محمد علی جناح سے قوم کو بدظن کر کے اپنے عزائم کی تکمیل چاہتا ہے۔

● اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے دشمن ایک اور کام یہ کرتا ہے وہ معاشرے کے ایسے طبقہ کو تکتا ہے جو جلد از جلد اس کے مقاصد کی تکمیل کرے۔ اس سلسلے میں اس کی نظر "طلبہ" پر رہتی ہے مگر اکثر طلبہ اس حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں۔ وہ بہت معصوم ہوتے ہیں اور اپنی سادہ لوحی اور لاعلمی کی وجہ سے ایسے کام کر جاتے ہیں جس سے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط ہوتے ہیں مگر سیاست میں سوچو بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ مطلب برآری کے لیے طلبہ کا انتخاب کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

● پہلی بات تو یہ کہ بالعموم طلبہ ملازم نہیں ہوتے، فارغ التحصیل رہتے ہیں۔
● دوسری بات یہ کہ ان پر کوئی گھریلو ذمہ داری نہیں ہوتی۔
● تیسری بات یہ کہ بالعموم ان کو کمانے کی پرواہ تو ہوتی نہیں، کھانے کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ گھر جا کر پکا پکا کایا مل جاتا ہے یا ہاسٹل میں کھانی لیتے ہیں۔

● چوتھی بات یہ ہے کہ وہ عمر کی اس منزل میں ہوتے ہیں جہاں جذبات غالب ہوتے ہیں اور فکر مغلوب۔ اس لیے ان کے جذبات کو جہر بہایا جاتا ہے آسانی سے بہہ جاتے ہیں۔

● پانچویں بات یہ ہے کہ اس کو اتنا علم نہیں ہوتا جس سے انسان کھرے کھوٹے میں فرق کرتا ہے اس کے مزاج میں پتلی

پیدا ہوتی ہے اور اپنے قول و عمل کا ذمہ دار بنتا ہے۔

● چھٹی بات یہ کہ طلبہ پر بالعموم نہ والدین کا پورا قابو ہوتا ہے نہ اساتذہ کا اس لیے جو چاہے آسانی سے اپنے قابو میں کر سکتا ہے۔

● ساتویں بات یہ ہے کہ ان کی اپنی ایک برادری ہوتی ہے ان پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

● آٹھویں بات یہ کہ نظریاتی ملکوں میں نظریات کو بنانے اور بگاڑنے میں طلبہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

دشمن یہ ساری باتیں ذہن میں رکھ کر قدم آگے بڑھاتا ہے اور محصور طلبہ کو اپنے دام قریب میں گرفتار کرتا ہے۔ یہ مسئلہ قوت استعمال کرنے سے زیادہ سمجھانے سے حل ہو سکتا ہے کیونکہ بالعموم طلبہ لاعلم ہوتے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں ان کو نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے نتائج کیا برآمد ہوں گے، سوائی انجام سے بے خبر ہوتے ہیں اس لیے وہ قابل رحم ہیں۔ میرے نزدیک وہ ایک ایسے نرم و نازک پودے کی مثل ہیں جس طرف اس کو ٹیڑھا کیا جائے ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ ہم ان کو اپنا حریف سمجھ کر مقابلے شروع کر دیتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے حریف نہیں ہمارے بچے ہیں۔ ہماری عاقبت اور نجات اسی میں ہے کہ ہمیں جو خطہ زمین "پاکستان" ملا ہے دل و جان سے اس کی پاسداری کریں اور اس کی ترقی و استحکام کے لیے کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں۔ اپنے بھائیوں کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کریں اور کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ ہر طرف عدل و انصاف کا بول بالا ہو۔ ہمارے اسلاف نے جس وطن کے لیے جدوجہد کی اور جس وطن کے لیے ہمارے ہزاروں بھائیوں نے اپنا خون بہایا، گھریا لٹایا اس کو ضائع نہ کریں۔



☆ زکوٰۃ ادا کرنے میں یہ ضروری ہے کہ جسے دیں اُس کو مالک بنا دیں۔ اس لیے اگر زکوٰۃ کی رقم سے کھانا پکا کر غریبوں کو بطور دعوت کے کھلا دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ اباحت ہوئی تملیک نہ ہوئی۔ ہاں! اگر کھانا پکا کر کھانا غریبوں کو دے دے اور اُن کو اس کھانے کا مالک بنا دے کہ وہ چاہیں اُسے کھائیں یا کسی دوسرے کو دے دیں یا بیچ ڈالیں تو زکوٰۃ ادا ہو گئی کیونکہ اس میں تملیک (مالک بنا دینا) پائی گئی۔ ﴿در مختار و رد المحتار﴾



رمضان المبارک کے دوران کراچی کے 9 علاقوں میں قادیانیوں نے سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ کئی قادیانی مراکز میں محرمی اظہار اور مہینے بھر کا راشن مفت فراہم کرنے کے نام پر سادہ لوح افراد کو اکٹھا کر کے انہیں قادیانیت کی جانب راغب کیا جا رہا ہے۔ جبکہ بعض علاقوں میں عید گفٹ کے نام پر کپڑوں کے جوڑوں کے ساتھ قادیانی لٹریچر بھی تقسیم کیا جا رہا ہے۔ قادیانی تبلیغی اداروں کو مرزا مسرور احمد کی جانب سے ہدایات ملی ہیں کہ وہ رمضان المبارک میں پاکستان میں اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں کیونکہ رمضان المبارک میں قادیانی مبلغین کے مطابق مسلمانوں کو اپنی جانب راغب کیا جانا زیادہ آسان ہے۔ مرزا مسرور احمد کی تازہ ہدایت ملنے کے بعد قادیانی ارتدادی اداروں نے ملک بھر میں اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ ذرائع کا دعویٰ ہے کہ رمضان المبارک میں قادیانیت کی تبلیغ کے لیے کروڑوں روپے تقسیم کئے گئے ہیں۔ صرف کراچی میں قادیانیت کی تبلیغ کے لیے 5 کروڑ روپے کی رقم دی گئی ہے۔ رمضان المبارک میں قادیانیوں نے 9 علاقوں میں تبلیغی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ جن علاقوں میں قادیانیت کی سرگرمیاں عروج پر ہیں ان میں محمود آباد شاہ فیصل کالونی، بیئیس کالونی، گلشن حدید، صدر تنو کراچی، موانچہ گوٹھ، کورنگی اور گلشن اقبال شامل ہیں۔

قادیانیوں کی جانب سے محمود آباد کی لیاقت اشرف کالونی میں مفت راشن کے ایک پیکٹ میں 10 کلو آٹا، 2 کلو چاول، ایک کلو چینی، ایک کلو گھی، ایک پاؤ چائے کی پتی، چنے کی دال، آدھا کلو مسور کی دال، آدھا کلو شامل تھی اور ساتھ ہی ایک خاکی رنگ کا لفافہ بھی تھا جس میں چار کتابچے شامل تھے جن میں ایک کتابچہ ”شان صحابہ رسول حضرت بانی جماعت احمدیہ کے الفاظ میں“ کے عنوان سے، دوسرا کتابچہ ”حضرت بانی جماعت احمدیہ کا عشق رسول“ تیسرا کتابچہ ”لائمی بعدی اور بزرگان امت“ جبکہ چوتھا کتابچہ ”جماعت احمدیہ کے عقائد“ کے عنوان سے تھا۔

محمود آباد میں جن لوگوں کو مفت راشن بانٹا گیا ہے ان کے نام ’چنے‘، ’مشاخی‘ کا رڈ نمبر اور فون نمبر یہ کہہ لئے گئے ہیں کہ وہ ہر ماہ راشن تقسیم کرتے ہیں اس لئے آپ سے رابطہ کر لیا کریں گے۔

قادیانیوں کا راشن تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایک سوزو کی میں آتے ہیں اور راشن تقسیم کر کے چلے جاتے

ہیں۔ علاقے کے ایک رہائشی نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ محمود آباد کے مختلف علاقوں میں قادیانی تبلیغی ادارے مفت راشن تقسیم کر رہے ہیں جبکہ جمعہ کے روز ان مفت راشن وصول کرنے والوں کو فون کر کے بھی ارتداد خانوں میں بلایا جاتا ہے جہاں انہیں قادیانیت کے درس میں بٹھایا جاتا ہے۔

گلشن حدید میں جو مفت راشن تقسیم کیا گیا ہے ان کی بیکنوں میں 5 کتابچے تھے۔ ایک کتابچہ ”حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پاکیزگی“ دوسرا ”اپنے آقا و مطاع محمد مصطفیٰ“ تیسرا ”امام مہدی کی صداقت کے دو نشان چاند سورج گرہن“ چوتھا ”سومال بھگڑے کا آسان فیصلہ“ اور پانچواں کتابچہ ”میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں؟“ کے عنوان سے تھا۔

محمود آباد نمبر 6، لیاقت اشرف کالونی کی گلی نمبر 5 میں واقع قادیانیوں کے ارتداد خانے میں تبلیغی سرگرمیوں کے حوالے سے لوگوں سے ملاقات کی تو ان کا کہنا تھا کہ علاقے میں قادیانیوں کی تبلیغ کے حوالے سے اشتعال پایا جاتا ہے۔ اس عبادت گاہ کے سامنے اور عقب کی دونوں گلیوں میں بڑی تعداد میں قادیانی رہائش پذیر ہیں اور مغرب کی اذان سے قبل یہاں نوجوان گھومتے نظر آتے ہیں جو غریب افراد راہ گیروں، ٹیکسی ڈرائیوروں، ٹھیلے والوں اور کاغذ چھنے والوں کو افطار کے بہانے اپنی اپنے ارتداد خانے میں لے جاتے ہیں اور یہاں پر انہیں قادیانیت کا ارتدادی درس دیا جاتا ہے۔ جمعہ کو یہاں بڑی مجلس ہوتی ہے جس میں خواتین زیادہ شریک ہوتی ہیں اور واپس جاتے ہوئے گلیوں کے گھروں میں تبلیغ کرتی ہیں جبکہ جمعہ کے روز دوسرے علاقوں سے مختلف افراد کو بھی تبلیغ کے لئے لایا جاتا ہے اور بعض اوقات غریب افراد یہاں سے راشن لے کر جاتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔

مذکورہ ارتداد خانہ کے ذمہ دار منور احمد سے اس حوالے سے پوچھا تو ان کا کہنا تھا کہ یہاں پر تمام نمازیں جبکہ جمعہ کو بڑی نماز ہوتی ہے۔ کوئی خوشی سے آجائے تو وہ منع نہیں کرتے ہیں جبکہ افطاری یا درس سننے کے لیے بھی بہت سے لوگ یہاں آتے ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ منظور کالونی عید گاہ چوک سیکر ایف میں فضل عمر میموریل ڈسپنسری میں بھی علاج کے لئے آنے والے غریب افراد کو قادیانیت کی تبلیغ بھی کی جاتی ہے۔ مذکورہ ڈسپنسری میں 10 روپے کی پرچی بنائی جاتی ہے اور یہاں پر زیادہ تر قریبی علاقے کے غریب افراد علاج کے لئے آتے ہیں۔

یہاں پر پچھر کالونی، ابراہیم حیدری اور دیگر چھوٹی چھوٹی بستیوں کے رہائشی افراد کو جب علاج کی غرض سے لایا جاتا ہے تو ان کو بعض اوقات قادیانیت کا درس بھی دیا جاتا ہے اور بعد میں تبلیغ کے لئے وقفہ وقفہ سے بلوایا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسے مریض بھی آتے ہیں جن کو کینسر ٹی بی اور دیگر ایسے امراض لاحق ہوتے ہیں جن کا علاج کرانا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا تو فضل عمر میموریل ڈسپنسری میں ایسے افراد سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کا علاج کرائیں گے اور پھر ان کو قادیانیت کی

دعوت دی جاتی ہے۔

منظور کالونی میں چند قادیانی افراد ایسے بے روزگار اور پریشان حال افراد کو تلاش کرتے ہیں اور ان کو بیرون ملک بھجوانے، شادی کرانے اور دیگر مسئلے حل کروانے کا جھانسنہ دے کر تبلیغ کرتے ہیں۔ مذکورہ علاقے سے اکبر نامی نوجوان کو قموڑے عرصے قبل تک مقامی ڈپٹری آتے جاتے دیکھا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ جرمی چلا گیا ہے اور قادیانی ہو گیا ہے۔

ماہ رمضان میں قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیوں کے حوالے سے صدر میں واقع قادیانی ارتداد خانہ کافی سرگرم ہے یہاں پر افطار سے قبل راہ گیروں کو لایا جاتا ہے۔ پریڈی کے علاقے میگزین روڈ پر واقع قادیانیوں کے ارتداد خانے کے بارے میں علاقے کے چوکیدار 65 سالہ سعید خان نے بتایا کہ جمعہ کے روز یہاں پر بڑا پروگرام ہوتا ہے۔ یہاں کاروں میں خواتین زیادہ آتی ہیں جبکہ ماہ رمضان میں دوپہر کے وقت جو نماز ہوتی ہے اس میں بھی بہت لوگ یہاں آتے ہیں۔ دوسرے چوکیدار اکمل کا کہنا تھا کہ آج کل شام کے وقت زیادہ پروگرام ہوتے ہیں اس لئے گیٹ بند کر دیئے جاتے ہیں۔ قریب کے دکاندار شفیق کا کہنا تھا کہ اس عبادت گاہ میں تبلیغی سرگرمیاں اس لئے زیادہ ہیں کہ اس کے اطراف رہائشی مکانات کم ہیں۔ زیادہ تر دکانیں ہیں، شام کو وہ بند ہو جاتی ہیں تو کچھ لوگ عبادت گاہ کے دونوں اطراف کی سڑک پر گاڑیاں کھڑی کر کے اسے بند کر دیتے ہیں اور اس دوران اندر تبلیغ اور درس جاری رہتا ہے۔

شاہ فیصل ٹاؤن میں قادیانیوں کے دو ارتدادی مراکز زیادہ سرگرم ہیں۔ شاہ فیصل کالونی نمبر 3 گرین ٹاؤن میں قادیانی افراد کی بڑی تعداد رہائش پذیر ہے۔ یہاں گھروں میں درس کا انتظام بھی کیا جاتا ہے اور افطاری سے قبل چند افراد چھوٹے دکانداروں، منی بس ڈرائیوروں، کنڈیکٹروں، ٹھیلے والے افراد کو افطاری کے بہانے گھیر کر لاتے ہیں۔

مین نالے کے قریب شام کے اوقات میں نصیر احمد اور خادم نامی نوجوان قادیانیت کی تبلیغ کے لئے لوگوں کو افطاری کرانے اور پریشان حال افراد کو مفت راشن دینے کے بہانے قادیانی ارتدادی مرکز مرکز لے جاتے ہیں جبکہ ڈرگ روڈ کینٹ بازار میں واقع قادیانیوں کے ارتداد خانہ اور اس سے متصل فضل عمر میموریل ڈپٹری مرکز بنی ہوئی ہے جبکہ اس کے ساتھ گیٹ ہاؤس بھی ہے جس کی چھت پر بڑا ڈش انٹینا لگا ہے جس کے ذریعے mta نامی چینل سے ارتدادی درس بھی سنایا جاتا ہے۔ اس علاقے میں ماہ رمضان کے دوران قادیانیوں کی سرگرمیاں کافی بڑھ چکی ہیں اور شام کے اوقات میں عبادت گاہ میں آنے والے قادیانی کینٹ بازار اقبال آباد الحیدر سوسائٹی نا تھا خان گوٹھ میں پھیل جاتے ہیں اور راہ گیروں، ٹھیلے اور رکشہ اور ٹیکسی والوں سے کہتے ہیں کہ ان کے ہاں افطاری کا انتظام ہے۔ ان افراد میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ افطاری کے بعد ان افراد کو روک لیا جاتا ہے کہ یہاں پر درس اور تبلیغ کا بندوبست بھی ہے۔

قادیانیوں کی سرگرمیوں کے بڑھنے کے حوالے سے علاقے کے رہائشیوں میں شدید اشتعال پایا جاتا ہے۔ مذکورہ ارتداد خانہ کے اندر قریبی علاقوں شاہ فیصل کالونی، ڈرگ روڈ، گولڈن ٹاؤن، الفلاح اور دیگر علاقوں سے قادیانیت کی تبلیغ کے لئے لوگوں کو لایا جاتا ہے جبکہ جمعہ کے روز خواتین کی بڑی تعداد آتی ہے اور بعد میں خواتین گلیوں چوکوں میں تبلیغ کرنے جاتی ہیں جبکہ جمعہ کے روز اکثر علاقے کے رہائشیوں اور قادیانی ارتداد خانہ کی انتظامیہ میں تلخ کلامی اور جھگڑے ہوتے ہیں کیونکہ جمعہ کے روز قادیانی ارتداد خانہ میں رش ہوتا ہے اور اطراف کی سڑکوں پر موٹر سائیکلیں کھڑی کر کے یارکا وٹیں کھڑی کر کے سڑکیں بند کر دی جاتی ہیں اور قادیانی ارتداد خانہ آنے والوں کے علاوہ کسی کو گلی میں نہیں جانے دیتے جس کی وجہ سے جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ ارتداد خانہ میں ماہ رمضان کے دوران تبلیغی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی ہیں اور غریب افراد میں راشن دینے اور عید گفٹ دینے کی آڑ میں تبلیغ بھی کی جا رہی ہے۔ ارتداد خانہ سے متصل فضل عمر میموریل ڈسپنسری بھی تبلیغی مرکز کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ یہاں پردس روپے کی پرچی میں ہر بیماری کا علاج کرتے ہیں اور ڈاکٹر موجود ہوتے ہیں۔

گلشن حدید قادیانیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے حوالے سے مشہور ہے۔ یہاں پر قادیانیوں کا قبرستان بھی بنایا گیا ہے۔ شہر بھر میں مرنے والے قادیانی افراد کو یہاں پر دفن کیا جاتا ہے جبکہ یہاں کھلے عام خواتین اور مردوں کی ٹولیاں قادیانیت کی تبلیغ کرتی ہیں اور گھروں میں لٹریچر بانٹتی ہیں جبکہ مفت راشن بانٹتے اور گفٹ دینے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

ماہ رمضان میں بیٹنس کالونی کے علاقے لیبر کالونی اور دیگر علاقوں میں بھی قادیانی بڑے پیمانے پر تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ لیبر اسکوائر کے رہائشیوں نے بتایا کہ سفید رنگ کی ہائی روف میں ممتاز نامی شخص اور دیگر افراد آتے ہیں اور ان کے ساتھ خواتین بھی ہوتی ہیں جو خود کو سماجی تنظیم کا کارکن بتاتے ہیں۔ کبھی یہ غریب بستی میں راشن تقسیم کرتے ہیں اور کبھی معلوم کرتے ہیں کہ کسی کے مسائل ہوں تو وہ بتائیں۔ علاج معالجے کے حوالے سے بھی پوچھتے ہیں جبکہ مدد کی آڑ میں قادیانیت کا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔

اطلاعات کے مطابق نیو کراچی سیکٹر 5/C1 میں قادیانیوں کا تبلیغی میٹ ورک بہت مضبوط ہو گیا ہے۔ یہاں مرزا اسلم نامی شخص خاصا فعال ہے۔ وہ سر جانی ٹاؤن کے علاقوں سے بھی لوگوں کو گھیر کر یہاں پر لاتا ہے جبکہ گلی کوچوں میں خواتین بھی کھلے عام قادیانیت کی تبلیغ کرتی ہیں۔ مواچہ گوٹھ میں قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیاں چند ماہ قبل شروع ہوئی تھیں اور ماہ رمضان میں بہت بڑھ گئی ہیں۔

ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
حای دین و سنت پہ لاکھوں سلام

مرتضی شیر حق الشیخ الامجدین
حاجی رفیق و تفصیل و نصب و خروج

امیر المؤمنین، خلیفہ چہارم، داماد رسول سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا علیہ السلام: وصال: ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ھ



جامع مسجد کوفہ (عراق) میں شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کا مینار
یہاں سے آپ قرآن و سنت کے موتی نکھیرتے ہوں گے



جبل ابونقیس۔ اس پہاڑ کے قریب ہی سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام
کا گھر تھا جسے نجدی حکومت نے بلند کر دیا



سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام سے منسوب کھنڈی



قائم خیر، شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی مزار مبارک۔ اس مزار
سے احلاسے سکھتے ہیں کہ لیے یقیناً ان گنت کافروں کا علاج ہو اور کافروں کا



خراب امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام یہاں امیر المؤمنین ہمارے پاس آئے تھے
خراب کے متعلق یہ واقعہ میں وہ مقام ہے جہاں ازلیہ جنت میں جہنم کے
حضرات سینوں کے پاجان سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام پر قاتلانہ حمل کیا تھا



خیر کے منہ پر قاتلوں کے لیے سید علی کا خراب۔ اسی مقام پر شیر خدا حضرت علی علیہ السلام
نے مہربان کو اہل جہنم کیا تھا۔ جو ہر مسلمانوں کے بارے میں دعا کرتا تھا



نیف اشرف (عراق) میں خلیفہ چہارم
سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کا مزار مبارک



کوہ میں موجود حضرت علی علیہ السلام سے منسوب گہرا گہرا وہ جہاں آپ لوگوں سے
ملنا کرتے تھے۔ اسی جگہ اللہ تعالیٰ کے اس شیر کو شہادت کے بعد مصلوب کیا گیا

اس حرم برأت پہ لاکھوں سلام
اُن کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

بنت صدیق آرام جان نبی
یعنی ہے سورہ نور جن کی گواہ

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ العظمیٰ وصال: ۱۵ ارمضان ۵۸ھ



یہ دروازہ و قیاب خود کے نام سے معروف تھا اب نجدی حکومت نے اس
دروازے کے آگے الماریاں رکھ دی ہیں جس کی وجہ سے یہ کھائی نہیں دیتا



سیدہ عائشہ صدیقہ العظمیٰ کے حجر مبارک کا دروازہ جس سے
رحمت و عالم بیکھتی ہے نجد نبی میں آمد و رفت ہوتی تھی



ستون عاتق صدیقہ العظمیٰ (ستون قرنہ) اس مبارک ستون کے آگے جاکر کے
تعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر لوگ اس کی تعلیمات سے واقفیت حاصل کر لیں
تو یہ ستون قرنہ اعلیٰ سے حاصل کریں



حجر وید کے دروازے کا قفل جس پر قصیدہ خودہ شریف کا شعر درج ہے



بنت اقیق میں سیدہ عائشہ صدیقہ العظمیٰ کی قبر مبارک
۱۹۳۰ء سے قبل ان کو یہ مبارک پرستانہ قبر سے متعلق تھے جو شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ
کی حرا و شہی کی میثرت پر تھے



مسجد مجسم: یہاں سے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیتہ الوداع کے موقع پر احرام
کی نیت فرمائی تھی۔ حد و حرم میں سب سے نزدیک ملکی حرم ہے



مسجد نبوی کے سامنے میں جنت البقیع کا مغرب بخارہ
درمیان میں نمازیں کی گزرا بھی واضح ہے



مسجد نبوی کے پادشہ میں جنت البقیع کا زون پر درمیانہ مہاجر صحابہ کرام
و صحابیات رضی اللہ عنہم اور دیگر ائمہ یہاں آرام فرما رہے ہیں